

جاسوسی دنیا نمبر 53

سرخ دائرہ

(مکمل ناول)

دھمکی

یہ مینگ محکمہ سراغ رسانی کے پرنٹڈ کی صدارت میں ہو رہی تھی۔
 محکمے کے بہترین اور بدترین دماغ وہاں موجود تھے۔ ان میں کرنل فریدی بھی تھا لیکن ایسا
 معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اس مینگ سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ اس کی نظر تو تقریر کرتے ہوئے
 پرنٹڈ کے چہرے پر تھی مگر ذہن کہیں اور تھا۔ ویسے اس کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار
 ضرور تھے۔

”کیپٹن حمید... انسپکٹر آصف اور لفٹیننٹ سنگھ کے درمیان بیٹھا ہوائی لیڈی انسپکٹر مس
 ریکھا لارسن کو گھور رہا تھا۔ یہ ایک عیسائی لڑکی تھی۔ پہلے زمانہ پولیس فورس میں تھی۔ پھر ابھی
 حال ہی میں محکمہ سراغ رسانی میں منتقل کر دی گئی تھی اور فریدی نے اس کے متعلق پیشین گوئی کی
 تھی کہ وہ ذہانت کے معاملے میں کئی سینئر انسپکٹروں پر بھی سبقت لے جائے گی۔ حمید کو اس کے
 ہونٹوں کی تراش بہت پسند تھی۔ عورتوں کی ذہانت سے اسے آج کل کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔
 اس کا خیال تھا کہ بیوقوف سے بیوقوف عورت بھی اگر حسین ہو تو ہزاروں افلاطونوں پر حکومت
 کر سکتی ہے۔ لہذا ذہانت کی وجہ سے کسی عورت کو کریڈٹ دینا ذہنی بے مائیگی کا سب سے بڑا

ثبوت ہے۔ اگر وہ ذہین بھی ہوتی ہے تو ذہانت سے کام لینا ہرگز نہیں جانتی۔

مگر اس مینگ کا مقصد ریکھا کے حسن کے متعلق اظہار خیال کرنا نہیں تھا۔ یہ لوگ ایک اہم مسئلے پر غور کرنے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔ شہر میں پچھلے چند ماہ سے کچھ اس قسم کی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ جو نوعیت کے اعتبار سے قصہ کہانیوں والے جرائم سے کسی طرح کم نہیں تھیں۔ ان وارداتوں میں قتل بھی تھے اور ڈاکے بھی۔ چوریاں اور اغواء کے کیس بھی۔ خیال یہ تھا کہ یہ کسی ایک ہی گروہ کی حرکت ہے اور اس خیال کا محرک تھا سرخ دائرہ!

”سرخ دائرہ“ سپرنٹنڈنٹ حاضرین کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔ ”آپ جانتے ہیں کہ اب تک جتنی بھی وارداتیں ہوئی ہیں ان میں ہمیں سرخ سنے دائرے سے ضرور دو چار ہونا پڑا ہے۔ سرخ دائرہ! آپ اس کی نوعیت سے واقف ہیں۔ اسی بناء پر میرا خیال ہے کہ یہ لوگ پرانے اور عادی قسم کے مجرم نہیں ہیں! بلکہ یہ نو مشقوں مگر پڑھے لکھے لوگوں کا گروہ ہے۔ جس نے پولیس اور پبلک کو خوفزدہ کرنے کے لئے سرخ دائرے کا ڈھونگ رچایا ہے۔ ورنہ ایسی چیزیں صرف جاسوسی ناولوں اور کہانیوں ہی تک محدود ہیں۔ ابھی تک یہ لوگ پکڑے نہیں جاسکے۔ بلکہ ان کا نشان تک نہیں مل سکا۔ وجہ یہ ہے کہ ہم ان کے معیار سے بلند ہو کر سوچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں یہ سرخ دائرہ درغلطا ہے۔ ہمارے ذہن میں کسی بہت ہی منظم قسم کی دہشت پسند پارٹی کا تصور ابھرتا ہے۔ لہذا ہم اسی کی مناسبت سے اپنا طریق کار متعین کرتے ہیں۔ ہمیں دراصل خرگوشوں کا شکار کرنا ہے لیکن ہم ہاتھیوں کے شکار کا سامان لے کر نکلتے ہیں۔ دراصل خرگوش کے شکار کا ہمیں خیال تک نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ جب ہم ہاتھیوں کے لئے نکلیں گے تو خرگوشوں پر ہماری نظریں ہی نہ پڑیں گی۔ غالباً آپ لوگ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ اب یہ قضیہ ختم ہو جائے تو بہتر ہے۔ معاملہ اب سول پولیس کے ہاتھوں سے نکل کر ہم تک آ گیا ہے۔“

سپرنٹنڈنٹ اپنا پاپ سلگانے کے لئے خاموش ہو گیا۔

حمید نے مڑ کر فریدی کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر ایک تلخی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی اور وہ اب بھی سپرنٹنڈنٹ ہی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ نیا تھا۔ ابھی حال ہی میں کسی دوسری جگہ سے منتقل ہو کر یہاں آیا تھا۔ اس سے پہلے فوج کی سیکرٹ سروس میں رہ چکا تھا۔ وہ پاپ کا کش لے کر اپنے چہرے کے سامنے دھواں نکھیرتا ہوا بولا۔

”میرے اکثر ساتھیوں کو شکایت ہے کہ انہیں کام کرنے کے لئے بہت کم مواقع نصیب ہوتے ہیں۔“

اس نے خاموش ہو کر خاص طور سے فریدی کی طرف دیکھا۔ لیکن اب فریدی جیب سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے سپرنٹنڈنٹ کا یہ جملہ سنا ہی نہ ہو۔

سپرنٹنڈنٹ پھر بولا۔ ”میری خواہش ہے کہ یہ کام کسی ایک کی بجائے کئی افراد کی ایک پارٹی کے سپرد کر دوں۔“

”جس کا سربراہ کسی مکھن باز کو بنایا جائے۔“ حمید آہستہ سے بولا اور انسپکٹر آصف اسے خونخوار آنکھوں سے گھور کر رہ گیا۔ البتہ دوسری طرف بیٹھا ہوا لیفٹیننٹ سنگھ بے اختیار مسکرا پڑا۔

”یہ پارٹی.... انسپکٹر آصف کی قیادت میں کام کرے گی۔“ سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

”آہم....! حمید نے لیفٹیننٹ کو آنکھ ماری۔

”پارٹی کے دوسرے ممبروں کے نام ہیں۔“ سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور پاپ کا ایک طویل کش لے کر دھواں نکالتا ہوا بولا۔ ”انسپکٹر جاوید، لیفٹیننٹ سنگھ، مس لارن اور سب انسپکٹر تھوری۔“

پھر کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔

ریکھا لارن نکلیوں سے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فریدی کے چہرے پر بڑی بے اشتات تھی۔

ایک بار انسپکٹر آصف نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ فریدی کی عادت ہی کچھ اسی قسم کی تھی کہ وہ اپنے دشمنوں کو بھی خوش ہونے کا موقع نہیں دیتا تھا۔

”دیکھا آپ نے۔“ انسپکٹر مگر جی نے فریدی کی طرف جھک کر کہا۔

عمارت میں مقتول کے علاوہ آٹھ افراد اور بھی تھے۔ لیکن وہ سب رات بھر بے خبر سوتے رہے تھے۔ لاش صبح آٹھ بجے دیکھی گئی۔

خواب گاہ میں چاروں طرف ابتری نظر آرہی تھی۔ شاید ہی کوئی چیز اپنی پچھلی حالت میں رہی ہو۔ صاف ظاہر تھا کہ وہاں خاصی ہڑبوگ ہوئی ہوگی لیکن اس کے باوجود بھی برابر کے کمرے میں سونے والی کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ وہ مقتول کی لڑکی تھی اور اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہمیشہ کچی نیند سوتی ہے۔ اگر کوئی بچیوں کے بل چلتا ہوا بھی اس کی قریب سے گذر جائے تو اس کا جاگ پڑنا لازمی ہوگا۔

انسپکٹر آصف کی پارٹی بڑے انہماک سے لاش اور کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ لیکن خود انسپکٹر آصف دور کھڑا انہیں اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے سکول ماسٹر نے اپنے کچھ شاگردوں کو حل کرنے کے لئے کوئی سوال دیا ہو اور اب ان کے جوابات کا منتظر ہو۔

ریکھا کے علاوہ سب لوگ لاش کے پاس سے ہٹ کر دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ریکھا لاش کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ خصوصیت سے مرنے والے کایاں ہاتھ اس کی توجہ کا مرکز تھا۔

آصف پہلے ہی لاش کا جائزہ لے چکا تھا۔ کچھ دیر بعد ریکھا لاش کے پاس سے ہٹ کر آصف کے قریب آ گئی۔

”آپ کا کیا خیال ہے؟“ اس نے آصف سے پوچھا۔

”نہیں مں ریکھا۔“ آصف سر ہلا کر مسکرایا۔ ”پہلے آپ سب لوگ کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیے، پھر میں اپنا خیال ظاہر کروں گا۔“

ریکھا نے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب ایک بات پر متفق ہو گئے۔ یعنی حملہ آور کئی تھے۔ انہوں نے مقتول کو سوتے سے اٹھایا اور پھر کافی جدوجہد کے بعد وہ اس پر قابو پا سکے۔ پھر اسے فرش پر گرا کر اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ متفق ہونے والوں میں ریکھا بھی تھی۔ لیکن اس نے ایک چیز کی طرف سب کی توجہ مبذول کرائی جسے شاید وہ سب نظر انداز ہی کر گئے تھے۔

”ہاں آں!“ مجھے خرگوش کے شکار سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔
”میں ان حضرت کا شکر گزار ہوں۔“

پھر پرنٹنڈنٹ نے طریقہ کار کے متعلق بحث چھیڑ دی۔ اس میں زیادہ تر وہی لوگ حصہ لے رہے تھے جن کے ناموں کا اعلان کیا گیا تھا۔

اچانک پرنٹنڈنٹ نے فریدی کو مخاطب کر کہا۔

”کرنل فریدی! کیا آپ گفتگو میں بھی حصہ نہ لیں گے۔“

”اوہ!“ فریدی ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ مجھے خرگوشوں کے شکار کا تجربہ ہی نہیں۔“

”ہم..... خیر!“ پرنٹنڈنٹ دوسری طرف مخاطب ہو گیا۔ اگر اس کا بس چلتا تو اس جواب پر فریدی کی بوٹیاں اڑا دیتا۔

یہاں کئی لوگوں کے چہروں سے کبیدہ خاطر کی ظاہر ہو رہی تھی لیکن وہ خاموش تھے۔ البتہ فریدی کے اس جواب نے انہیں کسی حد تک خوش ضرور کر دیا تھا۔

”اب یہاں ہمارے بیٹھے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“ مگر جی نے فریدی سے کہا۔

”ڈپٹن..... مسٹر مگر جی۔“ فریدی بولا۔

مگر جی برا سامنہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔



دوسری صبح ان پانچ افراد کو ایک نئے کیس سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ کنکس لین کے ایک مہتمول آدمی کی لاش تھی جس کی آنتیں پیٹ سے نکل کر فرش تک لٹک آئی تھیں اور اس کے قریب ہی فرش پر سرخ دائرہ موجود تھا جسے بنانے کے لئے سرخ رنگ کی چاک استعمال کی گئی تھی۔ یہ قتل زور و اسکوائر میں ہوا تھا اور لاش خواب گاہ میں پائی گئی تھی۔

”مقتول کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں۔“ اس نے کہا۔ ”ان کے سروں پر سرخی نظر آرہی ہے۔ صرف چھوٹی انگلی پر سرخی نہیں ہے۔ اب بتائیے آپ حضرات کیا کہیں گے۔ کیا واضح طور پر یہ اس کا اشارہ نہیں ہے کہ ہمارے فیصلہ میں کچھ گڑبڑ ہے۔“

لیفٹیننٹ سنگھ نے جھک کر اس کی انگلیوں کو چھوا اور سرخی اس کی انگلیوں میں چھوٹ آئی۔ پھر اس کا موازنہ دائرے کی سرخی سے کرنے کے بعد اس نے کہا۔ ”بے شک مس ریکھا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔“

”پھر.....!“ آصف نے سوال کیا۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو دیدہ دانہ مجرموں نے کسی خاص مقصد کے تحت اسکی انگلیوں میں رنگین چاک کے نشان ڈالے ہیں، یا پھر وہ چاک مقتول کے ہاتھ میں بھی رہی ہے۔“

”ہوگا..... دونوں باتیں ہو سکتی ہیں۔“ آصف نے لاپرواہی سے کہا۔

”لیکن ہمیں اس چیز کو سرسری نظر سے نہ دیکھنا چاہئے۔“ ریکھا بولی۔

”مس ریکھا، کیا آپ اسے کلیو کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہیں۔“

”جی ہاں..... میں یہی محسوس کر رہی ہوں۔“

”اچھا تو آپ محسوس کیجئے۔ بقیہ لوگ کام کریں گے۔“ آصف نے تیغ سے لہجے میں کہا۔ ”ویسے اگر آپ فریدی کے ساتھ کام کرتیں تو اسے بڑی خوشی ہوتی۔ کیونکہ وہ بھی عالم محسوسات کا بادشاہ ہے۔“

آصف کے دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کا یہ جملہ بہت گراں گزرا اور تو سب خاموش ہی رہے لیکن لیفٹیننٹ سنگھ اکھڑ گیا۔

”آصف صاحب! آپ جھک مارتے ہیں۔ ہم میں سے کسی کی بھی رائے کا آپ مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔“

”اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔“ آصف غرایبہ ”میں پارٹی کے لیڈر کی حیثیت رکھتا ہوں۔“

”یار آصف! تمہیں تو سیاسی پارٹی کا لیڈر ہونا چاہئے تھا۔“ انسپکٹر جاوید نے کہا۔ ”اُجھان

ذہانت سے زیادہ رشک و حسد کے داؤ بیچ کام آتے ہیں۔“

بات آگے نہیں بڑھ سکی کیونکہ محکمہ سراغ رسانی کے نوٹو گرافر اپنے ساز و سامان سمیت

وہاں پہنچ کے تھے۔

دقتاً اتنا انداز میں ان سب کی کاروائیاں دیکھتی رہی۔ آصف کی بات بہر حال ریکھا۔

اسے ناگوار گزری تھی اور اس نے تہہ نہ کر لیا تھا۔ ”کہ آصف کو نچا دکھائے بغیر نہ رہے گی۔ آصف اس وقت ایک کھڑکی سے ٹیک لگائے کھڑا نوٹو گرافروں کو دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور دوسری طرف بارجہ تھی۔ یہ کمرہ دراصل دوسری منزل پر تھا اور۔“

کمروں کے سامنے تک پھیلا ہوا تھا۔

اچانک آصف اچھل کر آگے کی طرف ہٹ گیا۔ پھر کھڑکی کی طرف مڑ کر اپنی پیٹھ چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی پیٹھ پر ریگتے ہوئے کسی کوڑے کو جھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں ریکھا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ شارک اسکن کے سفید کوٹ پر سرخ رنگ کا دائرہ بہت نمایاں تھا اور کچھ دیر پہلے وہ دائرہ آصف کی پشت پر ہرگز نہیں تھا۔ ورنہ وہ پہلے ہی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔

رفتہ رفتہ سب نے اسے دیکھ لیا لیکن آصف کو اس کی خبر نہیں تھی۔

”کیا بات ہے۔“ اس نے دوسروں کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

”سرخ دائرہ۔“ انسپکٹر جاوید نے کہا۔

”کیوں کیوں کرتے ہو۔ یار اپنا کام کرو۔“ آصف جھنجھلا گیا۔ انسپکٹر جاوید اس کے

پرانے ساتھیوں میں سے تھا اور قریب قریب ہم عمر بھی۔

”تمہاری پشت پر سرخ دائرہ موجود ہے۔“ جاوید نے سنجیدگی سے کہا۔ پہلے تو آصف کچھ

سمجھا ہی نہیں پھر اچانک اسے اس کوڑے کا خیال آ گیا جو اسے اپنی پشت پر ریگتا محسوس ہوا تھا۔

اس نے جلدی سے کوٹ اتار ڈالا۔ دائرہ اسی رنگ کی چاک سے بنایا گیا تھا جس رنگ

کی چاک اس کمرے کے فرش والے دائرے میں استعمال کی گئی تھی یا جس کے دھبے مقتول کی

”نہیں کچھ نہیں!“ ریکھا سر ہلا کر بولی۔ ”میں اپنا خیال نہیں ظاہر کرنا چاہتی۔“

”اس کے لئے میں شکر گزار ہوں۔“ آصف اپنا لہو پری ہونٹ بھیج کر بولا۔

اس بار اس کا لہو قابل اعتراض تھا۔ لیکن ریکھا چپ چاپ اسے بھی برداشت کر گئی۔

البتہ دوسرے پھر آصف پر برس پڑے۔

اور سراغ رسائی کی یہ ٹیم ڈل سکول کے طلباء کی کوئی جماعت معلوم ہونے لگی۔ جب

آصف کا غصہ بہت بڑھ گیا تو اس نے بالکل خاموشی اختیار کر لی۔

بہر حال کسی نہ کسی طرح انہوں نے واردات کے متعلق ایک چھوٹی سی رپورٹ مرتب کی

اور لاش کو وہاں سے اٹھوا دینے کے بعد عمارت سے نکل آئے۔

لیکن آصف کے لئے ایک دوسرا جھٹکا باہر بھی موجود تھا۔ جب وہ انٹینشن دینگن میں بیٹھ

رہے تھے انہیں اس کے فرش پر دوسرا سرخ دائرہ دکھائی دیا جس کے درمیان میں کانڈ کی ایک

چٹ چسپاں تھی اور چٹ پر ٹائپ کے حروف میں تحریر تھا۔

”آصف! تم زندہ رہو گے، لیکن زندگی سے بیزار۔۔۔ یہ ہمارا فیصلہ ہے!“

پانچ شریف آدمی

حمید بڑی دیر سے فریدی کا دماغ چاٹ رہا تھا۔

”آپ کی سخت توہین ہوئی ہے جناب۔۔۔ آپ مانیں یا نہ مانیں۔“

”چلو۔۔۔ ختم بھی کرو۔“ فریدی بیزاری سے بولا۔

”میں تو کبھی ختم نہیں کر سکتا۔ خواہ خود ہی ختم ہو جاؤں۔۔۔ آہ۔۔۔ مگر وہ ریکھا۔ مجھے اس کی

بہت فکر ہے۔“

”کیوں؟“

”ان بور قسم کے آدمیوں میں رہ کر اسے تپ دق ہو جائے گا۔“

انگلیوں پر تلے تھے۔

آصف کوٹ کو وہیں چھوڑ کر بارجے پر دوڑنے لگا۔ پھر دوسرے لوگ بھی بارجے پر آ گئے۔

آصف کی پشت پر دائرہ کس نے بنایا تھا۔ یہ انتہائی کوششوں کے باوجود بھی نہ معلوم ہو سکا۔

اب آصف نے لاش کو تو چھوڑ دیا تھا اور ایک ایک کی جامہ تلاشی لیتا پھر رہا تھا کہ شاید

کسی کے پاس سے سرخ چاک برآمد ہی ہو جائے۔ ساری عمارت الٹ پلٹ ڈالی گئی لیکن رنگین

چاک کا ٹکڑا بھی کہیں سے دستیاب نہ ہو سکا۔

ریکھا آصف کی بدحواسیوں پر غصتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد وہ بجلی منزل کے کمرے میں دوبارہ اکٹھے ہوئے۔ آصف غصے سے سرخ

ہو رہا تھا۔

”فریدی کو یہ حادثہ کبھی پیش نہ آتا۔۔۔ سنا تم نے۔“ جاوید اس کے چہرے کے قریب انگلی

نچا کر بولا۔

”جاوید! تم حد سے بڑھ رہے ہو۔“ آصف غرایا۔ ”میں اس قسم کی جاہلانہ بے تکلفی قطعی

پسند نہیں کرتا۔“

”فریدی کی بات آپ کہاں سے لے بیٹھے جاوید صاحب۔“ لیفٹیننٹ سنگھ نے کہا۔ ”شہر

کا بڑے سے بڑا بدعاش اس کے نام سے قہراتا ہے۔“

”ہم یہاں انہیں ہانکنے کے لئے نہیں آئے سمجھے آپ لوگ۔“ آصف جھلا گیا۔

”تلاشیوں میں وقت برباد کرنے آئے ہیں۔“ جاوید نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ آصف غرایا۔ ”میں خود سے انچارج نہیں بنا ہوں بلکہ ایک اعلیٰ

آفیسر نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے۔“

”ہمیں اس سے انکار کب ہے مسٹر آصف۔“ لیفٹیننٹ سنگھ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے مستعد ہیں۔ کچھ کہئے بھی تو۔۔۔!“

”میرا خیال ہے کہ۔۔۔!“ ریکھا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

سب لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔

توسوں پر قربان ہو رہا تھا۔

”واہنا ہاتھ صاف تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں!“

”اچھا! کیا ساری انگلیوں میں چاک بھری ہوئی تھی۔“

”جی نہیں، چھوٹی انگلی بے داغ تھی۔“

”خوب! اچھا پھر۔“

پھر آصف کے کوٹ پر بنے ہوئے دائرے کا تذکرہ چھڑ گیا۔

”واہ.... یہ بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی بڑبڑایا۔ ”سچ کچ یہ لوگ بہرام اور آرسین پن

وغیرہ کے کارنامے دہرا رہے ہیں۔“

”یہی نہیں.... بلکہ ایک دائرہ اسٹیشن ویگن میں بھی ملا جس کے درمیان میں ایک سلف

چسپاں تھی اور اس پر تحریر تھا۔“ آصف تم زندہ رہو گے لیکن زندگی سے بیزار، ہمارا فیصلہ ہے۔“

”واہ....!“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”اس بات پر تو ان لوگوں کی عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔“

ریکھا حمید کی طرف دیکھ کر ہنسی اور حمید کا دل چاہا کہ اپنے ہی دانتوں سے اپنی گردن

ادھیڑ ڈالے۔

”یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ پھر بلند آواز میں پوچھا۔

”کیا تحریر ہاتھ کی تھی؟“

”جی نہیں ٹائپ۔“

”چالاک ہیں، اچھا پھر.... آصف کا کیا خیال ہے۔“

”خیال سے تو آصف کو دشمنی ہے۔“ ریکھا مسکرا کر بولی۔ ”نہ تو وہ کوئی ذاتی خیال رکھتے

ہیں اور نہ کسی دوسرے کے خیال کو خاطر میں لاتے ہیں، میں ابھی تک انہیں سمجھ ہی نہیں سکی۔“

ریکھا نے اتنا ہی کہا اپنی اور آصف کی گفتگو کا تذکرہ نہیں کیا۔

”یعنی ابھی تک آپ لوگ اس کیس کے متعلق کوئی رائے نہیں قائم کر سکے۔“

”جی نہیں.... اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ سرخ دائرہ!“

”کھنکو یہاں سے۔ کیا تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے۔“ فریدی بڑبڑایا۔ وہ کسی کتاب کا

مطالعہ کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ حمید کسی طرح مل جائے۔ مگر حمید پر ریکھا سوار تھی۔ اس کا کہنا تھا

کہ وہ فریدی سے بڑی عقیدت رکھتی ہے۔ لہذا فریدی کو چاہئے کہ اسے ضرور لفٹ دے۔

حمید پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کہنا چاہئے۔ کس

طرح فریدی کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ ریکھا سے خوش اخلاقی سے پیش آئے۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملازم کسی کا وزینگ کارڈ لایا اور فریدی نے کارڈ اسے واپس کرتے

ہوئے بڑا سامنے بنا کر کہا۔ ”بٹھاؤ۔“

”کون ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”ریکھا....!“ فریدی نے اکتا کر کتاب بند کرتے ہوئے کہا اور کرسی سے اٹھ گیا۔

”واہ.... کیا بات ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی خاص بات لے کر آئی ہوگی۔ لہذا

استدعا ہے کہ۔!“

فریدی کمرے سے نکل گیا۔ حمید جملہ پورا نہ کر سکا لیکن وہ یہاں ٹھہر تو نہیں سکتا تھا۔ شاید

پندرہ یا بیس دن سے اُس نے کسی لڑکی سے گفتگو نہیں کی تھی اور اس نے یہ پندرہ یا بیس دن اس

طرح گزارے تھے جیسے کسی لہو و دق ریگستان میں تنہا چھوڑ دیا گیا ہو۔

ڈرائنگ روم میں فریدی اور ریکھا موجود تھے۔ ریکھا فریدی سے کہہ رہی تھی۔ ”انہوں

نے میری بات نہیں سنی۔ اگر آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں تو میں بہت مشکور ہوں گی۔“

حمید خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا اور یہ صوفہ ان دونوں سے کافی فاصلے پر تھا۔

”یقیناً شوق سے.... کہئے۔“ فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

ریکھا کنکس لین والی واردات اور آصف کی پارٹی کی تحقیقات کے متعلق بتانے لگی۔

فریدی غور سے اسے سنتا رہا، کبھی کبھی وہ اسے روک کر ایک آدھ سوال بھی کر لیتا تھا۔

پھر ریکھا داستان کے اس حصہ پر پہنچی جہاں سے رنگین چاک بھری انگلیوں کا واقعہ شروع

ہوتا تھا۔ یک بیک فریدی سنبھل کر بیٹھ گیا اور ریکھا نے بھی اس میں یہ تبدیلی محسوس کر لی۔

بڑے جوش و خروش کے ساتھ بیان کر رہی تھی اور حمید اس کے ہونٹوں کے زاوے ٹائپ رہا تھا

”نہیں!...“ فریدی بات کاٹ کر ولا۔ ”یہ ضروری نہیں ہے کہ اس واردات میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہو، کوئی دوسرا بھی سرخ دائرے کی دباؤ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔“

”جی ہاں.... یہ بھی ممکن ہے۔“

”اچھا تو آپ چاہتی کیا ہیں۔“

”میں اپنے طور پر اس کیس کی تفتیش کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ میں تو آپ کے طریق کار پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں نے جو کچھ بھی سیکھا ہے، آپ ہی سے سیکھا ہے۔“

”ہائیں!...“ حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”اور میں اب تک اس سے ناواقف رہا۔“

”اوہ.... آپ غلط سمجھے۔“ ریکھانے جلدی سے کہا۔ ”میں کرنل صاحب کے کیسوں کی رپورٹیں بہت غور سے پڑھتی رہی ہوں۔“

”تو پھر اب باقاعدہ شاگرد ہو جائیے نا۔“ حمید گنگنایا۔

”فضول باتیں نہ کرو۔“ فریدی جھلا کر اس کی طرف مڑا۔

”یہ میرا نیک مشورہ تھا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا اور دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ کی طرف دیکھنے لگا۔

”بہر حال منس ریکھا، سب سے پہلے آپ کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ قتل ہوا کیسے۔ اسی پر غور کرنے سے ممکن ہے، کوئی لکھو بھی ہاتھ آ جائے۔“

”قتل بڑے عجیب حالات میں ہوا ہے۔ کمرے میں ساری چیزیں الٹی پڑی تھیں اور لاش فرش پر تھی۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ مقتول پر کافی جدوجہد کے بعد قابو پایا جاسکا ہوگا۔ مگر ایسی کش مکش خاموشی سے نہیں ہو سکتی۔ الماریوں کا گرنا، سنگار میز کا الٹنا، مگر اس کی لڑکی جو برابر ہی کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی اطمینان سے رات بھر سوتی رہی۔ وہ کمرہ دوسری منزل پر تھا ٹھیک اس کمرے کے نیچے والے کمرے میں بھی اسی خاندان کے کئی افراد موجود تھے۔ لیکن چھت پر وزنی الماریوں کے گرنے سے انکی نیند میں خلل نہیں پڑا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔“

”ہاں.... آں.... آپ ٹھیک راستے پر جا رہی ہیں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

ریکھا بھی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

”انگلیوں کے نشانات کی تلاش تو ضرور ہوئی ہوگی۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”لیفٹیننٹ بنگہ نے اس سلسلے میں کچھ کام کیا ہے۔ لیکن وہاں مقتول کی انگلیوں کے علاوہ

اور کسی دوسری ٹائپ کے نشانات نہیں ملے۔“

”کیا مقتول شب خوابی کے لباس میں تھا۔“

”جی ہاں!...“

”بستر کی کیا حالت تھی۔“

”بس یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کو سوتے سے زبردستی اٹھایا گیا ہو۔“

”ہوں!...“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”اچھا مقتول کے بارے میں آپ لوگوں کی معلومات

کیا ہیں۔“

”وہ ایک دولت مند آدمی تھا۔ ماضی قریب میں اس کا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔

اس نے اپنے بعد تین لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ بیوی پہلے ہی مرج چکی تھی۔“

”اس کا اٹھنا بیٹھنا کن لوگوں میں تھا۔“

”اوہو، ابھی شاید اس کا علم پارٹی کے کسی فرد کو نہ ہوا۔“

”مجرموں کے داخلے اور فرار کے راستوں کا پتہ تو چل ہی گیا ہوگا۔“ فریدی نے کہا۔

”مجھے علم نہیں ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں کیا کیا؟“ ریکھا بولی۔

”آخری بار اسے کس نے زندہ دیکھا تھا۔“

”اس نوکر نے جو رات کو اس کی واپسی کا انتظار کیا کرتا تھا۔“

”گو یا وہ بچھلی رات گھر سے باہر بھی رہا تھا۔“

”جی ہاں!... تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اس کی واپسی ہوئی تھی۔“

”ڈاکٹر کی لاش کے متعلق کیا رائے ہے۔“

”قتل ایک اور دو کے درمیان ہوا تھا، تین ڈاکٹر اس بات پر متفق ہیں۔ صرف ایک کی

رائے ہے کہ قتل بارہ بجے سے پہلے ہوا ہوگا۔“

”بہر حال دو مختلف رائیں ہیں، خیر.... اچھا مس ریکھا۔ میں دیکھوں گا کہ آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ ویسے میں آپ کی ذہانت کا معترف ہوں۔“

”یہاں آپ غلطی پر ہیں۔“ حمید بول پڑا۔ ”آپ بھول رہے ہیں کہ میں نے آپ سے بھی پہلے ان کی ذہانت کا اعتراف کیا تھا۔“

”آپ حضرت کی ذرہ نوازی کا شکریہ۔ میں تو بہر حال طفل مکتب ہوں۔“ ریکھا نے کہا۔

”اور مس ریکھا۔“ فریدی نے اس انداز میں کہا جیسے وہ کسی ایک ہی بات پر عرصہ سے بولتا رہا ہو۔ ”انگلیوں پر چاک کے دھبے.... یہ بہت اہم ہیں۔ یقیناً ایک کلیو آپ کے ہاتھ آ گیا ہے۔“

”لیکن اسی طرح جیسے کوئی کارآمد چیز ہاتھ آ جائے.... لیکن میں اس کے استعمال سے واقف نہ ہوں۔“

”فکر نہ کیجئے۔ بعض اوقات چیزوں کا غلط استعمال ہی طریقہ استعمال سمجھا دیتا ہے۔ کل میں آپ کو اس کلیو کے متعلق کچھ بتا سکوں گا۔“



شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں پانچ شریف آدمی ایک گول میز کے گرد بیٹھے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔ خوش پوش اور شائستہ صورت آدمی شریف ہی کہلاتے ہیں۔ لہذا جب تک انہوں نے گفتگو نہیں شروع کی اس وقت تک شریف ہی معلوم ہوتے رہے، لیکن اس گفتگو کے باوجود بھی اس کی ذات سے لفظ ”شریف“ علیحدہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کی حقیقت یہ تھی کہ پانچ آدمیوں کی اس ٹولی کا نام ”جنرل فائیو“ یعنی پانچ شریف تھا.... اور ان سے جرائم کے علاوہ اور کسی قسم کی شرافت آج تک نہیں سرزد ہوئی تھی۔ ان کے چہرے فلاسفروں اور پروفیسروں جیسے تھے۔ ان کی آنکھیں ہر وقت سوچ میں ڈوبی رہتیں۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے یہ اس عظیم کائنات کا کوئی عظیم ترین عقدہ حل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

”ہم میں سے وہ مسخرہ کون ہے۔“ دفعتاً ان خاموش آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پھر اپنا سوال دہرایا اور ایک آدمی بولا۔

”ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔“

”پھر کیا فرشتے سرخ دائرہ بناتے ہیں۔“

”کوئی بھی بناتا ہو.... لیکن ہم میں سے کسی کو کیا پڑی ہے۔“ دوسرے آدمی نے اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا اور وہ صرف سر ہلا کر رہ گئے۔ ان کی آنکھیں اس وقت بھی سوچ میں ڈوبی ہوئی سی معلوم ہو رہی تھیں۔

”پھر مجھے بتاؤ نا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ہم نے آج تک جتنی بھی تجوریاں توڑی ہیں ان پر صبح کو پولیس نے سرخ دائرے ضرور دریافت کئے ہیں۔ لیکن کیا ہم نے کبھی کوئی قتل بھی کیا ہے۔“

”کبھی نہیں۔“ چاروں آدمی ایک زبان بولے۔

”لیکن بعض لاشوں کے قریب بھی یہ دائرے پائے گئے ہیں۔“

”آخر یہ ہے کون، ہم میں سے کوئی اس قسم کی حرکت کرنے ہی کیوں لگا۔ یہ تو کوئی ایسا آدمی معلوم ہوتا ہے جو ہمیں پھانسی کے تختے پر دیکھنا چاہتا ہے۔“

”مگر کون....؟ ہمیں کون جانتا ہے۔ جبکہ ہم خود بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ ہم ایک دوسرے کے نام تک سے ناواقف ہیں۔ ایک دوسرے کی قیام گاہیں ہمیں نہیں معلوم۔“

”آہا.... کتنی عجیب بات ہے۔ کتنی عجیب۔“

”اور ہم نے کبھی اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ ہم ایک دوسرے سے ملے کس طرح تھے۔“

”مگر ہمیں کم از کم اس پر غور تو کرنا چاہئے۔“

”سب سے پہلے ہم دونوں ملے تھے۔“ ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”دوسرے نے سر ہلا کر اس کی تصدیق کی۔“

”کیفہ جبران کی میز نمبر تیرہ ہمارے لئے یادگار حیثیت رکھتی ہے۔ آج بھی اس پر ہمارا قبضہ ہے۔ وہ ہمیشہ مخصوص رہتی ہی۔“

”کچھ بھی ہو..... میں آج اپنی قسم توڑ دوں گا۔“ ایک نے کہا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ ان پانچوں میں سب سے زیادہ پریشان یہی نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”پچھلی رات گنکسن لین میں بھی ایک قتل ہوا ہے، اور وہاں بھی ایسا ہی سرخ دائرہ پایا گیا ہے، حالانکہ ہم نے گنکسن لین میں قدم بھی نہیں رکھا۔“

”ہم اس چور کو پکڑ سکتے ہیں۔“ ایک آدمی نے کہا۔ ”جو شروع سے اب تک کچھ بولا ہی نہیں تھا۔“

”اس کے متعلق پھر باتیں کریں گے۔ میں فی الحال اپنی قسم توڑنے جا رہا ہوں۔“

”قسم..... تو کیا..... یعنی.....!“ ایک آدمی ہکا کر بولا۔ بقیہ تین بھی اسے حیرت سے دیکھنے لگے تھے۔

”میں آپ لوگوں کو اپنے متعلق سب کچھ بتاؤں گا۔“

”لیکن ہم اپنی قسمیں توڑنے پر تیار نہیں۔“ چاروں بیک وقت بولے۔ پھر انہوں نے بھی ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنا شروع کر دیا۔ جیسے غیر متوقع طور پر اپنی زبانوں سے ایک ہی جملہ نکلنے پر انہیں تعجب ہو۔

”آہ..... تب تو یہ معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا۔“ قسم توڑنے والا بولا۔

ان چاروں نے اس پر کسی قسم کا سوال نہیں کیا۔ انکی آنکھیں پھر سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

”مجھے ایک فقیر نے کینے جبران کی تیرہویں میز پر بھیجا تھا۔“ قسم توڑنے والے نے کہا۔

”مجھے ریس کا چمکا ہے۔ میں ریس کھیلے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہم جواری لوگ ضعیف الاعتقاد بھی ہوتے ہیں۔ ریس کورس کے باہر ایک تباہ حال فقیر بیٹھا کرتا تھا۔ یہ بہت عرصے کی بات ہے۔ اب آج کل وہ نظر نہیں آتا۔ وہ اکثر لوگوں کو کامیاب ہونے والے گھوڑوں کے نمبر بتا دیا کرتا تھا۔ ایک دن جبکہ میں ریس کورس میں داخل ہونے جا رہا تھا، اس نے خود میرا شانہ پکڑ کر مجھے روک لیا اور اپنی سرخ آنکھیں میری آنکھوں میں گڑوتا ہوا بولا..... ”تیرہ نمبر..... صرف تیرہ۔“ اور پھر مجھے داخلے کے گیٹ میں دھکیل کر دوسری طرف چلا گیا۔ لوگ اکثر اس کی منتیں کیا کرتے تھے لیکن وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتا تھا، اس دن اس سے یہی حرکت سرزد ہوئی تھی۔ یعنی

خود سے کسی کو نمبر بتانا..... میں نے اس دن اپنی ساری پونجی تیرہ نمبر پر جھونک دی اور جب میں وہاں سے واپس ہوا تو پچاس ہزار کا مالک تھا۔ اگلی ریس پر اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ لہذا میں نے اس دن ریس کورس میں قدم بھی نہیں رکھا۔ اس کے بعد والی ریس کے موقع پر وہ پھر ملا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جواب میں اس نے مسکرا کر کہا کہ اب تم ہمیشہ مجھے پریشان کرتے رہو گے۔ میں نے کہا آپ کی عنایت ہوگی۔ بولا..... بکواس ہے۔ ویسے تمہاری تقدیر ”ک ج“ کی تیرہویں میز پر چمک سکتی ہے۔ لیکن وہاں بیٹھ کر تم سب اپنی اصلیت چھپاؤ گے۔ اگر کوئی تمہارے پاس بیٹھنا چاہے تو اعتراض نہ کرنا۔ اس سے تمہارے خواہ کتنے ہی اچھے تعلقات کیوں نہ ہو جائیں، تم اسے اپنا پتہ نشان نہیں بتاؤ گے۔ میں نے پوچھا یہ ”ک ج“ کیا چیز ہے۔ کہنے لگا تمہارے ستاروں کے حروف..... ان حروف سے جو جگہ بھی بن جائے، تیرہ نمبر کی میز کبھی نہ بھولنا..... تم تیرہ نمبر کا گھوڑا بھی جیت چکے ہو۔ بس اب کچھ نہ پوچھنا۔ ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔ دفع ہو جاؤ۔ بس تو پھر دوستو میں وہاں سے چلا آیا ”ک ج“ کیا تلاش شروع ہوئی۔ شہر میں کینے جبران کے علاوہ اور کسی جگہ کا نام ”ک ج“ سے مرکب نہیں تھا اور وہاں تیرہ نمبر کی میز بھی موجود تھی۔ میں نے اسے اپنے لئے مستقل طور پر مخصوص کرالیا۔ پھر ایک ایک کر کے آپ لوگ آئے..... کیا آپ کو بھی اسی فقیر نے بھیجا تھا۔“

وہ چاروں اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہے تھے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

”تم نے اپنی قسم توڑ دی۔ ہمیں اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ دوبارہ تمہاری شکل نہ دکھائی دے ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے اور اب کینے جبران میں بھی تمہارا قدم رکھنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔ چپ چاپ اٹھو اور چلے جاؤ۔“

اس لئے معمولی تربیت یافتہ پولیس اب تک ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکی تھی۔ یہ سب ایک دوسرے کے لئے بھی انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتے تھے کیونکہ ایک دوسرے سے الگ ہو جانے کے بعد ہر شریف آدمی دوسرے کے متعلق کچھ بھی نہیں جان سکتا تھا کیونکہ کسی کو بھی دوسروں کی قیام گاہوں تک کا علم نہیں تھا۔

جنرل فرسٹ نے ایک بار پھر شیش محل کی طرف تنفر آمیز نظروں سے دیکھا جس کے پانچویں فلیٹ میں وہ اپنے چاروں ساتھیوں کو چھوڑ آیا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ اپنی کار کے قریب پہنچ گیا، وہ خوفزدہ نہیں تھا۔ حالانکہ اسے یقین تھا کہ وہ چاروں یقینی طور پر اس کا تعاقب کریں گے۔

اور پھر جب وہ کار ڈرائیو کر رہا تھا تو اس کے زانوؤں پر ایک چھوٹی سی رائفل رکھی ہوئی تھی اور عقب نما کا زاویہ کچھ بدل دیا گیا تھا۔ تاکہ تعاقب کرنے والوں کو نظر میں رکھا جائے۔ مگر رات کا وقت ہونے کی بناء پر اس قسم کی احتیاطی تدبیر فضول ہی ثابت ہوئی کیونکہ عقب نما آئینے میں وہ صرف اپنے پیچھے آنے والی کاروں کی ہیڈ لائٹس ہی دیکھ سکتا تھا۔ پھر شہر کی بھری پڑی سڑکوں کا کیا کہنا۔ کاروں کا تارکب ٹوٹتا ہے۔ لیکن اسے بہر حال اپنا اطمینان کرنا تھا۔ اب اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اپنی کار کو سنسان اور تاریک گلیوں میں موڑنے لگا اور تھوڑی ہی دیر بعد اسے یقین آ گیا کہ کوئی اس کے تعاقب میں نہیں ہے۔ اس نے گود سے رائفل اٹھا کر نیچے ڈال دی۔

جنرل فرسٹ ایک دراز قد آدمی تھا۔ عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ لیکن سر کے بال قبل از وقت صاف ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بہت جاندار تھیں اور اس سے اس کی جسمانی قوت کا اندازہ کر لینا بہت آسان تھا۔ ایسی سچی آنکھیں بہت کم آدمیوں کو نصیب ہوتی ہیں۔

اس نے اپنی کار کیفہ جبران کے سامنے روک دی اور اتر کر سیدھا اندر چلا گیا۔ تیرہ نمبر کی میز خالی تھی اور اس پر ریوریشن کی تختی رکھی ہوئی تھی۔

ویٹروں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے سلام کیا۔ وہ اسے مسٹر ڈیکارٹس کے نام سے جانتے

پہلا شریف آدمی

”جنرل فائیو“ کے پانچویں آدمی کو دھکے دے کر فلیٹ سے باہر نکال دیا گیا اور اس نے سڑک پر پہنچ کر عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے پھر ایک بہت بڑی قسم کھائی۔ مگر اس قسم کا تعلق ان چار آدمیوں کی زندگیوں سے تھا جنہوں نے دھکے دے کر اسے فلیٹ سے نکالا تھا۔

یہ پانچواں رکن جنرل فائیو کا سب سے زیادہ کارآمد آدمی تھا۔ بلندیوں پر چڑھنے، وہاں سے بے دریغ نیچے چھلانگ لگا دینے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ مضبوط سے مضبوط تجوریاں اس طرح اس کے ہاتھ کے ایک اشارے پر کھل جاتی تھیں جیسے وہ اسی کے انتظار میں بند پڑی رہی ہوں۔

حقیقتاً یہ جنرل فائیو کا پانچواں نہیں بلکہ پہلا آدمی تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے کیفہ جبران کی تیرہویں میز پر مستقل طور پر کسی کا قبضہ نہیں تھا۔ دوسرے چار آدمی ایک ایک کر کے اس کے بعد ہی اس میز پر آئے تھے اور اسی مناسبت سے وہ ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے نمبر شمار استعمال کرتے تھے۔ مثلاً یہ نکالا ہوا آدمی جنرل فرسٹ کہلاتا تھا۔ اس طرح دوسرے جنرل سیکنڈ، تھرڈ، فورٹھ اور ففٹھ کہلاتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ ایک دوسرے کی عادات و خصائل سے واقف ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ پانچوں ایک ہی قسم کے آدمی ہیں۔

یعنی بحرمانہ ذہنیت رکھنے والے۔ بس پھر پانچ آدمیوں کی ایک ٹوٹی بن گئی اور یہ بھی حقیقت تھی کہ اس طرح ان کی تقدیریں بھی جاگ اٹھی تھیں۔ یہ پانچوں تعلیم یافتہ اور اونچی سوسائٹیوں میں اٹھنے بیٹھنے والے لوگ تھے اور شہر کے مختلف حصوں میں ان کی شاندار قسم کی قیام گاہیں تھیں۔ سواری کے لئے کاریں بھی رکھتے تھے۔ یہ جب بھی کہیں ہاتھ صاف کرتے انہیں اتار لیا جاتا کہ مہینوں عیش سے گذرتی۔ چوریوں اور ڈکیتیوں کا طریقہ سائنٹفک ہوا کرتا تھا۔

”اب میرے علاوہ اور کوئی نہیں.... سمجھ گئے نا آپ۔“

”آپ کے چاروں دوست بھی نہیں۔“ فیجر نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں.... وہ بھی نہیں۔ آپ انہیں منع کرتے وقت میرا حوالہ دے سکتے ہیں۔“

”بہت بہتر مسٹر ڈیکارٹس۔“

وہ پھر اس کمرے سے فیجر کے آفس میں آگئے۔ اینگلو انڈین اب بھی موجود تھی اور اب وہ جنٹل فرسٹ کو بڑی نشیلا آنکھیں بنا کر دیکھ رہی تھی۔ لیکن جنٹل فرسٹ کو عورتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

وہ فیجر کے کمرے سے نکل کر ہال میں آیا اور وہاں رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔

باہر اس کی کار کھڑی تھی۔ اس نے اگلی نشست پر بیٹھ کر اسٹارٹ کیا، لیکن وہ کار کو آگے نہیں بڑھا سکا۔ کیونکہ ایک ٹھنڈی سی چیز اس کی گردن سے آگئی تھی۔

اس جگہ بہت سی کاریں کھڑی تھیں اور اس حصے میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ جنٹل فرسٹ کو سرگھمانے تک کا موقع نہیں ملا۔

اس کے گلے سے خرخراہٹ کی آواز نکلنے لگی اور وہ پشت گاہ پر گردن ڈالے ہوئے اس طرح تڑپے لگا جیسے کوئی کیا ہوا مرغ۔

چاروں طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ یہ دراصل ایک گلی تھی اور یہاں اس وقت آمدورفت نہیں تھی۔ چونکہ سڑک پر کاریں کھڑی کرنے کا حکم نہیں تھا، اس لئے یہ گلی عام طور پر کاروں سے بھری رہا کرتی تھی۔ قریب ہی ایک سینما ہاؤس بھی ہونے کی وجہ سے پارک کی جانے والی کاروں کی زیادتی ہی رہتی تھی۔

جنٹل فرسٹ تڑپتا رہا۔ رائفل اب اس کی گود سے نیچے گر گئی تھی۔ آہستہ آہستہ خرخراہٹ کی آوازیں مدہم ہوتی گئیں اور پھر یک بیک وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ گلی کی سناٹے کا وہی عالم رہا۔

تھے۔ حالانکہ اس کا یہ نام نہیں تھا۔ ان پانچوں نے دنیا کے پانچ مشہور فلسفیوں کے نام اختیار کر رکھے تھے۔ ڈیکارٹس، لائبنز، اسپنوزا، ہیوم، برکلی۔ پتہ نہیں اس طرح وہ ان فلسفیوں کی ہنسی اڑانا چاہتے تھے یا کچھ اور مقصد تھا۔

جنٹل فرسٹ سیدھا فیجر کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ بند دروازے پر دستک دی۔ اندر کچھ کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کرسیاں اور میزیں کھسکائی جا رہی ہوں۔ پھر آواز آئی۔

”آ جاؤ...!“

جنٹل فرسٹ نے بینڈل گھا کر دروازہ کھولا۔ فیجر میز پر دونوں کہنیاں ٹیکے بیٹھا دروازے کی طرف گھور رہا تھا۔ آنے والے کو دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

”آہا.... مسٹر ڈیکارٹس۔ آئیے آئیے۔“ اس نے کہا۔ وہ اسے ڈیکارٹس کی بجائے ڈیکی کہا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے دوست اسے ڈیکی ہی کہتے ہوں گے۔ جنٹل فرسٹ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور اب اس نے دیکھا کہ کمرے میں ایک اینگلو انڈین لڑکی بھی موجود ہے۔

”میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔“ جنٹل فرسٹ نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ضرور ضرور.... آئیے.... میرے ساتھ۔“ فیجر نے اٹھ کر اپنی کرسی کھسکائی اور دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ دونوں کمرے میں چلے گئے۔

”تیرہ نمبر کی میز کا ریزرویشن کس کے نام سے ہے۔“ جنٹل فرسٹ نے اس سے پوچھا۔ ”آپ کے نام سے مسٹر ڈیکارٹس۔ آپ جیسا لاہور اور فراخ دل رئیس آج تک ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔ آپ صرف اس میز کے لئے ہمیں پانچ سو روپے ماہوار دیتے ہیں۔“ ”اچھا تو اب اس میز کو میری عدم موجودگی میں بھی کوئی استعمال نہ کرنے پائے۔“ ”ہرگز نہیں جناب۔ وہ تو ہمیشہ خالی پڑی رہتی ہے۔“ فیجر نے کہا۔ ”اس کو صرف آپ یا

آپ کے احباب استعمال کرتے ہیں۔“

بچے کینے میں آیا تھا۔“

”اوہ.... اچھا۔ تو میں فیجر ہی سے گفتگو کروں گا۔“ فریدی بولا۔

جلدیش انہیں کینے جبران میں لایا۔ اس نے پہلے ہی فیجر کو پابند کر دیا تھا کہ وہ اسے اطلاع دیے بغیر کہیں نہ جائے۔ جلدیش کو دیکھتے ہی وہ دہی زبان سے اس کی نادر شاہی کے خلاف احتجاج کرنے لگا۔

”اوہ.... دیکھئے۔“ فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ”بات ہی ایسی ہے.... صرف آپ ہی یہاں ایسے ہیں جس سے ہمیں مقتول کے متعلق کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ کیا آپ اس کا نام بتا سکیں گے۔“

”نام.... جی ہاں.... مسٹر ڈیکارلس....“

”ڈیکارلس!“ فریدی نے حیرت سے دہرایا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا یہ مستقل گاہک تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ایک عجیب و غریب گاہک جناب۔ انہوں نے تقریباً ایک سال سے تیرہ نمبر کی میز مخصوص کر رکھی تھی اور اس کے لئے وہ ہر ماہ مبلغ پانچ سو روپے ادا کرتے تھے۔“

”شاید آپ کو نیند آ رہی ہے۔“ حمید بر جتہ بولا۔

”نہیں جناب۔“ فیجر نے چھٹی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”میں جاگ رہا ہوں.... مجھے یقین ہے کہ اس پر مشکل ہی سے کسی کو یقین آئے گا۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ ہمارے کئی ویٹر اسے ایک سال سے یہاں دیکھ رہے ہیں۔“

”خوب....!“ فریدی کی پیشانی پر شکلیں ابھر آئیں اور اس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا وہ یہاں تنہا بیٹھا کرتا تھا۔“

”جی نہیں، چار آدمی اور بھی ہیں اور ہاں دیکھئے.... شاید اس سے کچھ کام چل سکے۔ گیارہ بجے مسٹر ڈیکارلس اسی لئے یہاں آئے تھے کہ آئندہ ان چاروں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔“

”کیا مطلب....؟“

”انہوں نے کہا تھا کہ کل سے ان چاروں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔ جی ہاں اتنی



دوسرا شوختم ہونے پر جب تماشائی اپنی کاروں کے لئے گلی میں داخل ہوئے تو انہیں لاش کا علم ہو گیا.... اور پھر.... وہی ہوا جو ایسے مواقع پر عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ اچھی خاصی سراسیمگی پھیل گئی۔ زیادہ تر لوگ اپنی کاریں گلی سے نکال کر ہوا ہو گئے۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح پولیس کو اطلاع ہوئی۔ چونکہ یہ علاقہ کو توالی ہی کے حلقے میں تھا اس لئے یہاں انسپکٹر جلدیش کی موجودگی ضروری تھی۔ اس نے موقعہ واردات کا معائنہ کیا اور ذرا ہی سی دیے میں اس کی عقل چکرا گئی۔ اگر کار کا انجن چل نہ رہا ہوتا تو شاید وہ اسے عام قسم کی وارداتوں سے زیادہ اہمیت نہ دیتا۔ لیکن ایسی صورت میں وہ سمجھے ہوئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔

حالانکہ فریدی نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ جب بھی وہ کسی پیچیدہ کیس سے دوچار ہو، اسے اپنی مدد کے لئے بلا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی اسے فون کرتے وقت جلدیش ہچکچا رہا تھا۔ کیونکہ اب دو بچے والے تھے، بہر حال اس نے ایک پبلک کال بوتھ سے فریدی کو فون کر ہی دیا۔ فریدی گھر ہی پر موجود تھا، اور ابھی تک سویا نہیں تھا۔

ٹھیک تین بجے وہ حمید سمیت موقعہ واردات پر پہنچ گیا۔ حمید کو شاید وہ جگا کر لایا تھا۔ اس لئے کہ جلدیش کا سامنا ہوتے ہی حمید نے منہ پھیر لیا۔

فریدی نے بہت خاموشی سے لاش کا جائزہ لیا۔ لاش کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی رائفل خاص طور پر اس کی توجہ کا مرکز تھی۔ جلدیش کو توقع تھی کہ فریدی اس سلسلے میں کوئی نیا انکشاف کرے گا، لیکن اس نے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا۔

”کیا تمہیں کوئی ایسا آدمی بھی ملا جو لاش کو شناخت کر سکے۔“ اس نے جلدیش سے پوچھا۔

”جی ہاں.... کینے جبران والے۔ وہ ان کا مستقل گاہک تھا۔ فیجر کا بیان ہے کہ وہ گیارہ

بات کے علاوہ انہوں نے اور کچھ نہیں کہا تھا۔

”کیا آپ ان چاروں کو پہچان سکیں گے؟“

”جی ہاں... ضرور۔ میں آپ کو ان کے نام بھی بتا سکتا ہوں۔ ایک صاحب اسپنوزا ہیں،

دوسرے لائبر، تیسرے ہیوم اور چوتھے ہرکل۔“

”اور آپ!...“ حمید غریبا۔ ”آپ غالباً شارل مافریا فویر باخ ہوں گے۔ یہ کیسے ہے یا

فلسفیوں کا بھگ خانہ۔“

”آپ مقتول کے گھر کا پتہ تو ضرور جانتے ہوں گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”دیکھئے جواب

نفی میں نہ دیجئے گا۔ ایسے پراسرار گاہک کے متعلق آپ نے پوری چھان بین کی ہوگی۔“

”مجھے اس سے انکار نہیں ہے جناب۔“ فیئر مسکرا کر بولا۔ ”میں نے کئی بار ان پانچوں کا چھپ کر تعاقب کیا تھا۔ لیکن کامیاب صرف ایک ہی بار ہوا تھا۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان پانچوں میں سے کسی کی قیام گاہ ہے۔“

”پتہ!...“ فریدی نے جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔

”شیش محل کا پانچواں فلٹ۔“

فریدی نے نوٹ بک میں جلدی جلدی کچھ لکھ کر اسے بند کرتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا یہ

روزانہ یہاں بیٹھتے تھے۔“

”جی نہیں... اکثر کئی کئی دن تک نہیں آتے تھے۔“

”کیا کبھی کوئی عورت بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔“

”جی نہیں۔ میں نے اس ایک سال کے عرصے میں ان کیساتھ کبھی کوئی عورت نہیں دیکھی۔“

”کیا پہلے بھی کبھی اس نے یہ کہا تھا کہ اسکے چاروں دوستوں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔“

”کبھی نہیں جناب۔ اس پر تو مجھے حیرت تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ پانچوں نہ صرف ہم

خیال تھے بلکہ ان کے عادات و اطوار بھی ایک سے تھے۔“

”عادات و اطوار سے آپ کو واقفیت تھی۔“ فریدی نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے

ہوئے کہا۔ ”پھر تو آپ ان کی متعلق بہت کچھ جانتے ہوں گے۔“

”آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔“ فیئر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”یہ میرا اندازہ ہے کہ وہ

ایک ہی جیسے عادات و خصائل رکھتے ہوں گے۔ آدمی کی صورت ہی دیکھ کر اس کے متعلق

بہتری رائیں قائم کی جاسکتی ہیں اور میرا دعویٰ ہے کہ ان میں کبھی غلط نہیں ہوتی۔“

”خیر!...“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”کیا اس کے یہاں سے جانے کے بعد ان چاروں

میں سے کوئی نظر آیا تھا۔“

”جی نہیں۔“

”اچھا... بہت بہت شکریہ۔ آپ غالباً اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتے۔“

”جانتا ہوتا تو آپ کو سوال کرنے کی زحمت ہی نہ کرنی پڑتی۔“

”اچھا جناب۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ آپ کو پھر زحمت دی جائے۔“

”اوہ... ضرور! میں ہر وقت حاضر ہوں۔“

وہ کیسے سے باہر آ گئے۔ جلدیش نے فیئر کو کیسے بند کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ حمید

بڑبڑا رہا تھا۔ ”اب کسی دن ہمیں سکندر اعظم اور چنگیز خاں کی لاشوں سے بھی دوچار ہونا پڑیگا۔“

”واقعی یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کہ انہوں نے پانچ مشہور فلسفیوں کے نام اختیار

کر رکھے تھے۔“ فریدی نے کہا اور کئی سوچ میں پڑ گیا۔

پھر اس نے جلدیش سے کہا۔ ”اچھا بھئی میں تو چل دیا۔ اب کل شام تک تم مجھ سے مل

سکتے ہو۔ مرنے والے کی انگلیوں کے نشانات لے لینا اور وہ راتقل۔ اسے بہت احتیاط سے

پیک کر کے فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ میں بھجوا دینا۔ کار کی جو کھڑکی کھلی ہوئی تھی... مگر نہیں۔ پوری

کار پر انگلیوں کے نشانات کی تلاش ضروری ہے۔ اچھا بھئی تو کل ضرور ملنا۔ فی الحال ایک

معمولی سی رپورٹ مرتب کر لو۔ یہ کیس بڑا دلچسپ ہے۔“

حمید اور فریدی کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

”میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔“ حمید منمنایا۔

”بس شیش محل تک۔ اس کے بعد ہم گھر واپس جائیں گے۔“

”اچھا جناب!“ حمید انگڑائی لے کر بولا۔ ”مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ سرخ دائرہ اینڈ کمپنی

کی حرکت نہیں ہے۔“

فریدی کچھ نہیں بولا۔ کارفرمائے بھرتی رہی۔ اس وقت ساری سڑکیں سنان پڑی تھیں۔ اس لئے کارطوفان کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔

”سرخ دائرہ۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بڑبڑایا ”آج آفس میں آصف کی میز پر بھی ایک سرخ دائرہ دیکھا گیا ہے۔“

حمید اور ریکھا

وہ شیش محل پہنچ گئے۔ عمارت سنان پڑی تھی۔ کہیں کہیں کھڑکیوں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ ورنہ پوری عمارت تاریکی سے ہم آغوش تھی۔

ساڑھے چار بج رہے تھے۔ پانچویں فلیٹ کے سامنے وہ رک گئے۔

حمید نے بڑھ کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ لیکن شاید وہ اندر سے بند ہی نہیں تھا کیونکہ دوسرے یا تیسرے جھٹکے پر دونوں پٹ کھل گئے۔

اندرا اندھیرا تھا۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کر لی۔ یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ یہاں کسی قسم کا فرنیچر بھی نہیں تھا۔ دیواریں نگلی پڑی تھیں۔

وہ آگے بڑھے۔ اس کے بعد ہی ایک چھوٹا سا کمرہ اور تھا۔ یہاں انہیں صرف ایک گول میز دکھائی دی جس کے گرد پانچ کرسیاں پڑی تھیں۔

یہ فلیٹ ان ہی دونوں کمروں پر مشتمل تھا اور یہاں ایک میز اور پانچ کرسیوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

فریدی نے سوچ دبا کر کمرے میں روشنی کر دی اور ٹارچ کو جیب میں ڈال کر متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”بڑی عجیب بات ہے۔ اس میز پر بھی ۱۳ کا ہندسہ موجود ہے۔“ فریدی آہستہ سے

بولا۔ ”اور پانچ کرسیاں.... اوہو.... کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاتا۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہمیں یہاں انگلیوں کے نشانات نہ ملیں۔“

وہ تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک انہی کمروں میں ٹہلتے رہے۔ پھر فریدی نے کہا۔ ”اب ہمیں آس پاس کے آدمیوں سے ملنا چاہئے۔“

حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ ابھی فریدی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ اس لئے وہ کسی بات میں دخل نہیں دے رہا تھا اور ویسے بھی چونکہ اسے سوتے سے اٹھ کر آنا پڑا تھا اس لئے اس کا موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔

انہیں پڑوسیوں کو جگانا پڑا۔ لیکن جاگنے والے یہ معلوم کر کے خوش نظر آنے لگے تھے کہ فلیٹ نمبر پانچ کے متعلق معلومات بہم پہنچانے والے پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ورنہ پہلے تو ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار ضرور نظر آتے تھے۔

انہوں نے بتایا کہ یہ فلیٹ زیادہ تر مقفل ہی رہتا ہے۔ اکثر پانچ آدمی وہاں آیا کرتے تھے۔ کچھ دیر بیٹھے اور چلے جاتے اور فلیٹ مقفل کر دیا جاتا۔ پڑوسی ان کی طرف سے مطمئن نہیں تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ بُرے آدمی ہیں اور کسی بُرے ہی مقصد کی تحت انہوں نے یہ فلیٹ حاصل کیا ہے۔ انہوں نے ان پانچوں کے حلقے بھی بتائے لیکن بیانات میں اختلاف تھا۔ بہر حال پڑوسیوں سے انہیں کوئی مدد نہ مل سکی۔ لیکن فریدی کا خیال تھا کہ وہ بے نیل و مرام واپس نہیں جا رہا ہے۔ قریبی تھانے سے دو کانسٹیبل طلب کر کے اس نے وہاں ان کی ڈیوٹی لگادی تھی اور اب وہ فنکٹر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافروں کو وہاں بلانے کیلئے فون کرنے جا رہا تھا۔

”اس سے کیا فائدہ ہوگا۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہو سکتا ہے کہ یہاں ہمیں مقتول کی انگلیوں کے نشانات بھی مل جائیں۔“

”کیا آپ کو کیفے جبران کے منبر کے بیان پر یقین نہیں تھا۔“

”تاوقتیکہ مجھے مکمل ثبوت نہ مل جائے میں کسی بات پر بھی یقین نہیں کرتا۔“

فنکٹر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافروں کے لئے فون کرنے کے بعد وہ گھر کی طرف

تر اس کا وقت اس کلیو پر غور کرنے میں گزرا تھا جس کی طرف فریدی نے اشارہ کیا تھا۔
مقتول کے گھر والوں نے تو کوئی ایسی بات نہیں بتائی تھی جس سے اسباب قتل پر روشنی
پر سکتی۔ لہذا فی الحال وہ کلیو اس کے لئے بیکار ہی تھی۔

اس نے مقتول کے حلقہ احباب میں بھی پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ لیکن وہ آصف
کو اپنی کاروائی کی رپورٹ نہیں دیتی تھی اور آصف نے بھی اسے ناکارہ تصور کر کے نظر انداز
کر رکھا تھا۔ وہ کبھی سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ عورتیں بھی اس کے دوش بدوش کام کرنے کی اہل
ہو سکتی ہیں۔

ریکھہ زور داسکوار کے سامنے سے گذرتی ہوئی چھٹم روڈ پر نکل آئی اور یہاں اچانک اس
کی ملاقات کیپٹن حمید سے ہو گئی جو ایک تبا کو فروش کے یہاں پائپ کا تبا کو خرید رہا تھا۔
”اوہو! مس ریکھا۔ آپ کون سا تبا کو بیچی ہیں۔“
”میں تبا کو خریدنے نہیں آئی۔“ ریکھا مسکرا کر بولی۔

”اوہو..... معاف کیجئے گا..... ہم!“
”میں آپ کا تھوڑا سا وقت برباد کرنا چاہتی ہوں۔“ ریکھا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔
”وقت کبھی برباد نہیں ہوا کرتا مس ریکھا۔ فرمائیے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“
”کنکس لین والے کیس!“
حمید کھانسنے لگا اور ریکھا جملہ پورا نہ کر سکی۔

”دیکھئے ہم یہاں سڑک پر اطمینان سے گفتگو نہ کر سکیں گے۔“ اس نے کہا۔ ”یہاں سے
آرکچو قریب ہے اور وہاں کی چائے بھی بڑی اچھی ہوتی ہے۔“

پھر اس نے کار کی طرف اشارہ کیا اور ریکھا پچھلی نشست پر جا بیٹھی۔ آرکچو تک پہنچنے
میں پانچ منٹ سے زیادہ عرصہ نہیں لگا۔

روز کی طرح آج بھی آرکچو میں کافی رونق تھی۔ وہ ایک خالی کین میں چلے گئے۔
”آج میں کسی قیمتی خرگوش کی طرح اداس ہوں۔“ حمید بیٹھے ہی بولا۔
”نہیں جناب۔ اس سے کام نہیں چلے گا۔“ ریکھا نے فس کر کہا۔ ”ٹھکے کی ٹاپسٹ

واپس ہوئے۔ فریدی کا رد رائیو کر رہا تھا اور حمید اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پلکیں نیند
کے دباؤ سے جھکی جا رہی تھیں۔ اچانک فریدی بڑبڑانے لگا۔

”بہت دنوں کے بعد اب کیس ہاتھ آیا ہے..... حمید صاحب..... آپ کا کیا خیال ہے۔“
”میرا خیال ہے کہ میں اس مہم میں شریک ہو جاؤں جو آئندہ سال چاند میں جا رہی ہے۔“
”چاند میں چاندی لڑکیاں نہیں ہوتی حمید صاحب! وہاں بھی تو تمہیں پتہ اور ریت کے
سوا کچھ نہ ملے گا۔“

”آپ تو نہ ہوں گے وہاں۔“

”اتنا اکتا گئے ہو مجھ سے۔“

بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ حمید نے کھڑکی سے لگ کر خرائے شروع کر دیئے تھے۔
اسی دن تین بجے فریدی نے حمید سے بتایا کہ شیش محل کی فلیٹ نمبر پانچ کی میز اور کرسیوں
پر پائے جانے والے نشانات میں مقتول کی انگلیوں کے نشانات بھی موجود ہیں۔
”اور حمید صاحب۔“ اس نے کہا۔ ”اگر آپ ہوائی قلعے نہ بنانے کا وعدہ کریں تو ایک
بات اور بھی بتاؤں۔“

”بشرطیکہ اس میں کسی لڑکی کا تذکرہ شامل نہ ہو۔“

”ہو سکتا ہے کہ آصف بے تمہارا ٹکراؤ ہو ہی جائے۔“

”آہا..... خدا کی قسم مزہ آجائے گا۔“

”اس فلیٹ میں مجھے سرخ رنگ کی چاک کے دو ٹکڑے بھی ملے تھے۔“ فریدی نے
آہستہ سے کہا۔



لیڈی انپیکٹورس ریکھا کنکس لین کی عمارت زور داسکوار کے آس پاس منڈلا رہی تھی۔
وہ ابھی تک اس عمارت میں ہونے والے قتل کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم کر سکی تھی۔ ویسے زیادہ

لڑکیوں سے میں آپ کی تعریف سن چکی ہوں۔“

”تو پھر!...“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”کچھ نہیں! ہاں تو میں کہنا چاہتی ہوں کہ کنکس لین والے کیس!...“

”ظہریے۔ پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کی پارٹی کی معلومات کیا ہیں۔“

”میں نہیں جانتی۔ سب الگ الگ کام کر رہے ہیں اور میں نے تو ابھی تک آصف کو کوئی

رپورٹ نہیں دی۔“

”اور نہ آئندہ دیں گی۔“

”خیال تو یہی ہے۔“

”خیر!... اچھا تو آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔“

”وہ کلیو... مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ مقتول کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر رنگین

چاک کے نشانات۔“

”میں آپ کے لئے تھوڑا بہت کام کرتا ہی رہا ہوں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا اور پھر

کیمین میں داخل ہونے والے ویٹر کو آؤر کی تفصیل سمجھانے لگا۔

”اوہ!... آپ خواہ مخواہ تکلیف کر رہے ہیں۔“ ریکھا بڑبڑائی۔ ویٹر جا چکا تھا۔

”ہاں تو میں کہہ رہا تھا!... مقتول کے متعلق میں نے معلوم کیا ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے

لکھنے کا عادی تھا۔“

”اوہ!...“ ریکھا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”ایسی صورت میں دو ہی باتیں سوچی جاسکتی ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”یا تو وہ دائرہ خود

مقتول ہی نے بنایا تھا یا پھر قاتل دوسروں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ دائرہ مقتول کے علاوہ اور

کسی نے نہیں بنایا۔ دونوں ہی صورتیں پیچیدہ گیوں سے خالی نہیں ہیں۔ پہلی صورت میں سوال

پیدا ہوتا ہے کہ مقتول نے دائرہ کیوں بنایا اور دوسری صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوال پیدا

ہو سکتا ہے کہ قاتل اس دائرے کو مقتول سے کیوں منسوب کرنا چاہتے ہیں۔“

”جی ہاں!... یقیناً!...“ ریکھا بولی۔

”اچھا یہ تو ہوئی کلیو کی بات!... اب مقتول کی شخصیت کی طرف آئیے۔ وہ یہاں کا ایک

سرمایہ دار تھا۔ اسے چند نامعلوم آدمیوں نے قتل کر دیا۔ چند آدمی اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مقتول

کے کمرے کی ابتری اسی چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ صرف دو آدمیوں کی لڑائی پورا کرہ نہیں

اٹ سکتی۔ خیر ہاں تو اس کے قتل کے سلسلے میں سرخ دائرے کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اس

سے پہلے بھی شہر میں تین قتل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی وہی سرخ دائرہ سامنے آیا تھا۔ قتل کے

علاوہ بھی متعدد وارداتوں میں سرخ دائرہ نظر آتا رہا ہے۔ مگر فی الحال ہم صرف مختلف آدمیوں

کے قتل ہی کے سلسلے میں اس کا جائزہ لیں گے۔ سارے مقتولین میں صرف ایک چیز مشترک نظر

آتی ہے آپ نے پچھلے ریکارڈ تو دیکھے ہیں۔“

”جی ہاں!... دیکھے ہیں۔“

”اچھا تو بتائیے کہ وہ مشترک چیز کیا ہے۔“

ریکھا سوچنے لگی۔ حمید خاموشی سے کیمین کے باہر دیکھتا رہا۔ تقریباً پانچ منٹ گزر گئے۔

لیکن ریکھا نے کوئی جواب نہ دیا۔

”آپ نے پچھلی رپورٹیں غور سے نہیں پڑھیں۔“ حمید نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”ہو سکتا ہے۔“

”نہیں کھلے ہوئے الفاظ میں اعتراف کیجئے۔“

”چلے کر لیا۔“ ریکھا غصے سے بولی۔

”ان میں مشترک چیز گھوڑ دوڑ ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیا!...؟ میں نہیں سمجھی۔“

”آہ!...! حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”گھوڑ دوڑ!... اس دوڑ کو کہتے ہیں جس میں

گدھے دوڑائے جاتے ہیں۔“

”یہ نہیں!... آپ میرا مانی الضمیر نہیں سمجھے۔ گھوڑ دوڑ ان میں مشترک ہے۔ یہ بات سمجھ

میں نہیں آئی۔“

”وہ سب کسی نہ کسی طرح گھوڑ دوڑ سے ضرور متعلق تھے۔ پچھلے تین قتل، اگر آپ کو یاد

ہو تو... مگر نہیں آپ کو کیا یاد ہوگا۔ مقتولوں میں سے دو تو جاکی تھے اور ایک گھوڑے کا مالک۔ کنکس لین والا مقتول بھی ریس میں دوڑنے والے دو گھوڑوں کا مالک تھا۔ غالباً اب آپ سمجھ گئی ہوں گی۔“

”جی ہاں... جی ہاں۔“ ریکھانے کہا۔ وہ کچھ بے چین سی نظر آنے لگی تھی۔

”لہذا میرا مشورہ ہے کہ آپ اسی لائن پر کام کیجئے۔ کوئی دشواری پیش آئے تو میں حاضر ہوں۔“

ریکھانے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ چائے اور اس کے لوازمات میز پر لگائے جا چکے تھے۔ دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔



جنٹل تھرڈ نے جلدی جلدی کھڑکیوں کے شٹر چڑھادیئے۔ پتہ نہیں یہ اس کا وہم تھا یا حقیقت تھی۔ اسنے کھڑکیوں کے شیشوں سے ایک سایہ دکھائی دیا تھا اور پھر وہ پل بھر میں نظروں سے غائب بھی ہو گیا تھا۔

وہ کھڑکیاں اور دروازے بند کر کے کمرے میں بیٹھ گیا۔ پھر اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہو۔

”کون ہے؟“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”میں ہوں جناب ویٹر... آپ کا فون ہے۔“

”میری کال ہے۔“

”جی ہاں جناب۔“

”اچھا... ویٹر شکریہ۔ میں ابھی آتا ہوں۔ ہولڈ آن رکھو۔“

جنٹل تھرڈ ایک ایسی عمارت میں مقیم تھا جس کے نچلے حصے میں ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا اور

جنٹل تھرڈ کے پیغامات اسی ہوٹل کے فون پر آیا کرتے تھے۔ جنٹل تھرڈ نے جلدی جلدی پتلون چڑھائی اور ٹائی کے بغیر ہی کوٹ پہن کر کمرے سے نکل آیا۔

ہوٹل کے منیجر کے انداز استقبال سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی نظروں میں انتہائی قابل احترام شخصیت ہے۔ جنٹل تھرڈ نے ریسورٹ اٹھالیا۔

”ہیلو... کون ہے؟“

”برکلی!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں اسپنوزا ہوں۔“ جنٹل تھرڈ نے کہا۔

”کسی نے بچپلی رات جنٹل فرسٹ کو قتل کر دیا۔ کیفے جبران والی گلی میں۔“

”اوہ...!“ جنٹل تھرڈ کے ہاتھ سے ریسورٹ چھوٹے چھوٹے پچا۔

”دشیش محل والے فلیٹ پر پولیس کا قبضہ ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ناممکن...!“ جنٹل تھرڈ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”ناممکن تو مجھے بھی معلوم ہوتا ہے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ مگر یہ حقیقت ہے، مجھے

ملی ہوئی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔ بہر حال بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ پولیس ہمارے وجود سے واقف ہو گئی ہے۔“

”مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر اسے کس طرح علم ہوا۔“

”اوہو! ذرا سوچنے کی عادت ڈالو۔ کیا کیفے جبران کے منیجر اور دوسرے ملازمین نے

جنٹل فرسٹ کی لاش شناخت نہ کی ہوگی اور کیا پولیس کو ہمارے متعلق نہ بتایا ہوگا۔“

”مگر اس ٹھکانے کا علم ان لوگوں کو کیسے ہو سکتا ہے۔“ جنٹل تھرڈ نے کہا۔

”یہی بات میری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”بہر حال بہت

زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔“

”تو کیا تم بہت زیادہ خوفزدہ ہو۔“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”نہیں قطعی نہیں!“

”اچھا تو پھر آج رات کو ہم کہاں ملیں گے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اگر حالات یہی ہیں تو ہمیں فی الحال ملنا ملنا ترک کر دینا چاہئے۔“ جنٹل تھرڈ نے کہا۔

”نہیں آج تو ہمیں یقینی طور پر کہیں نہ کہیں ملنا ہے۔ حالات خطرناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ہمیں اس نامرادرخ دائرے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔“

”تم کہاں سے بول رہے ہو۔“

”ایک پبلک کال بوتھ سے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اچھا تو ہم آج ملیں گے.... مگر کہاں؟“

”کیفے جبران ہی میں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”حالانکہ یہ چیز خطرناک ہی ہوگی

مگر ہم تھوڑا سا میک اپ کر لیں گے۔ پہچان کے لئے ہماری ٹائیاں سیاہ رنگ کی ہوں گی۔ اسے یاد رکھنا۔ اوہو.... اچھا بس۔“

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اچانک کوئی خطرہ سر پر دکھ کر بولنے والا خاموش ہو گیا ہو۔

کیفے میں بھوت

فریدی نے اس آدمی کی طرف غور سے دیکھا جو کچھ کاغذات اس کے سامنے رکھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔

”سب کچھ مکمل ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”جی ہاں.... سب مکمل ہے۔“

”شکریہ.... اب تم جاسکتے ہو۔“

وہ آدمی چلا گیا اور فریدی اس کے لائے ہوئے کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد

اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چراسی اندر آیا۔

”حمید صاحب کو بھیج دو۔“ فریدی کاغذات پر نظر جمائے ہوئے بولا۔

پھر شاید پانچ یا چھ منٹ بعد حمید کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی نے سر کی جنبش سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن کاغذات سے اس کی نظر نہیں ہٹتی تھی۔

حمید کے چہرے پر ناگواری کے آثار نہیں تھے۔ دیکھا کہ قدم درمیان میں نہ ہوتا تو اس سے اتنی مستعدی کی توقع خواب و خیال ہی کی بات ہوتی۔ آج کل وہ صحیح معنوں میں کام کرنے کے موڈ میں تھا۔

”کیوں؟ کیا رہا؟“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔

”مقتول کی تصویر اشاعت کے لئے پریس کو دے دی گئی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے اس کی قیام گاہ کا پتہ معلوم ہو گیا ہے۔“

”وہ کیسے....؟“

”ڈیلی میل کے منیجر نے وہ تصویر شناخت کر لی ہے۔ وہ بھی اس کا نام ڈیکارلس بتاتا ہے۔ وہ دنوں ایک ہی عمارت کے دو مختلف حصوں میں رہتے تھے۔“

”ہوں.... مگر اب تصویر کی اشاعت کو تم غیر ضروری کیوں سمجھتے ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”مقصد یہی تھا تا کہ ہمیں اس کی قیام گاہ کا پتہ معلوم ہو سکے۔“

”قطعاً نہیں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”محض قیام گاہ کا پتہ معلوم ہونے سے کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو طے شدہ بات ہے کہ ڈیکارلس فرضی نام تھا۔ ہو سکتا ہے کہ تصویر کی اشاعت کے بعد

ہمیں اس کے متعلق کچھ اور بھی معلوم ہو سکے۔ ہاں کیا تم اس کی قیام گاہ پر گئے تھے۔“

”میں ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس کے یہاں کوئی نوکر نہیں تھا۔“

”مکان کی تلاشی لی تھی۔“

”ابھی نہیں.... جگہ لاش تلاشی کا وارنٹ حاصل کرنے گیا ہے۔“

”ہاں.... اچھا.... وہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ لیکن اب دوسری بات سنو۔ وہ رائفل جو مقتول کی کار پر ملی تھی اس پر مقتول ہی کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔“

”یعنی خود کشی۔“

”نہیں.... خود کشی تو نہیں ہو سکتی کیونکہ گولی گردن پر بائیں طرف لگی تھی۔ اگر سامنے کے حصے کی بات ہوتی تو کسی حد تک خود کشی کا شبہ کیا جاسکتا تھا۔“

”کیوں!۔۔۔“

”خود کشی کرنے والے عموماً زخروے یا دل کے مقام پر فائر کرتے ہیں تاکہ موت جلدی واقع ہو اور انہیں اذیت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ موت جاکنی سے زیادہ خوفناک نہیں ہوتی۔ خیر اسے بھی چھوڑو۔ آدی آسانی پسند واقع ہوا ہے۔ آسانی پسند کو اگر فطرت ثانیہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تم خود کوشش کر کے دیکھ لو۔ رائفل کی نال اپنی گردن کے دائیں بائیں پہلو پر رکھ کر ٹریگر تک ہاتھ لے جاؤ۔ یقیناً یہ چیز تمہارے لئے دقت طلب ہوگی۔ لیکن تم رائفل کی نال اپنے زخروے پر رکھ کر اور اس کے کندے کو زمین پر ٹکا کر پیر کے انگوٹھے سے ٹریگر بہ آسانی دبا سکتے ہو۔ خیر چھوڑو اس تذکرے کو کام کی بات کرو۔ خود کشی کے لئے وہ گلی موزوں نہیں تھی جبکہ اس کا اپنا گھر بھی موجود تھا۔“

”تو مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔“ حمید نے پوچھا۔

”کیفے جبران پر نظر رکھو۔۔۔ میز نمبر تیرہ۔۔۔ پانچ آدی۔۔۔ پانچواں فلیٹ۔۔۔ وہاں بھی صرف ایک ہی میز اور اس پر بھی تیرہ کے ہندسے کی موجودگی۔ یہ ساری چیزیں بڑی عجیب ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ جواری یا سٹہ باز ہیں۔ اسی قسم کے لوگ طاق اعداد کو سعد تصور کرتے ہیں۔ پانچ اور تیرہ دونوں ہی طاق اعداد ہیں۔“

اچانک فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بڑی تیزی سے اٹھا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ کہتا ہوا وہ دروازے سے نکل گیا۔

حمید نے برا سامنا بنا کر شانوں کو جنبش دی۔ لیکن اسے ہر حال میں فریدی کے ساتھ جانا تھا۔ خواہ وہ اسے جہنم ہی میں لے جاتا لیکن اس نے اسے آج تک اس طرح آفس سے اٹھ کر بھاگتے نہیں دیکھا تھا۔

حمید کے بیٹھنے ہی کا حرکت میں آ گئی۔ فریدی اسے تیز سے تیز چلانے کی کوشش کر رہا

تھا۔ گھر تک پہنچنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے اور فریدی لائبریری میں جا گھسا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ پرانے رسائل اور اخبارات کی بڑی الماری خالی کر رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس ڈھیر میں سے صرف ایک ماہنامے کے شمارے الگ کر رہا ہے۔ یہ ماہنامہ ”اسپورٹ“ تھا۔

جب وہ بیس یا بائیس پرچے الگ کر چکا تو ورق گردانی کی باری آئی۔

وہ بڑی تیزی سے ان کے ورق الٹ الٹ کر انہیں ایک طرف ڈالتا جا رہا تھا۔

”آہ!۔۔۔!“ یک یک اس کے منہ سے ایک ہلکی سی تحیر آمیز آواز نکلی اور اس نے وہ شمارہ حمید کے سامنے ڈال دیا۔ جس کی ورق گردانی کر رہا تھا۔

”ارے!۔۔۔!“ حمید پتلون کی کریز سنبھالے بغیر فرش پر دو زانوں بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

”یہ تو اسی کی تصویر ہے۔“

”نہیں ٹھہرو!۔۔۔!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”اس کی وہ تصویر بھی لاؤ۔“

”میرے پاس ہی موجود ہے۔“ حمید نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

اس نے ڈیکارٹس یا اس پر اسرار آدی کی لاش کی تصویر نکالی جس کے لئے کیفے جبران کی تیرہویں میز داغی طور پر مخصوص تھی۔

”ذرا برابر بھی فرق نہیں ہے جناب۔“ اس نے رسالے میں چھپی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اب تصویر کے نیچے کا مضمون پڑھو۔“ فریدی بولا۔

”مسٹر جوزف بارڈ۔“ حمید پڑھنے لگا۔ ”جنہوں نے ۱۸ فروری کی ریس میں پچاس ہزار روپے کی رقم جیتی۔ انہوں نے اپنا سارا سرمایہ یلو پیٹھر نامی گھوڑے پر لگا دیا۔ جس پر نمبر ۱۳ تھا۔ کئی تھرٹین مسٹر بارڈ ایک زندہ دل اور یار باش آدی۔ ان کا خیال ہے کہ یہ رقم ان کے پاس زیادہ دنوں تک نہیں رکے گی۔“

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔ ”یہ نام جوزف بارڈ بھی مجھے بتائے ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ہنگری کے ایک ممتاز ادیب کا نام ہے اور یہ یوں بل پر آئے کیونکہ وہ در

”عجیب معاملہ ہے۔“ اس نے کچھ دیر بعد سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ”اگر مقتول کا تعلق سرخ دائرہ والوں کی پارٹی سے تھا تو.... مگر نہیں۔“
وہ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

”سوچنے کو ساری زندگی پڑی ہوئی ہے۔“ حمید بولا۔ ”لیکن آپ مجھے کام بتائیے۔“
”اوہو! آج کل بہت تیز ہو رہے ہو۔“ فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔
”میں کام چورتو نہیں ہوں۔“
”کب سے حمید صاحب۔“

”جب سے ریکھا ٹکے میں آئی ہے۔“ حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
”میں سمجھتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں تم سے کچھ کہنا وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ویسے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم نے مفت میں خود کو بدنام کر لیا ہے۔“
”آپ معرفت کی اس منزل سے واقف نہیں ہیں۔ پھر آپ اس کی لذت کیا جانیں۔“
میں اسے بدنام نہیں بلکہ شہد کا مرتبان سمجھتا ہوں۔“

”خیر اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ کام یہی ہے کہ کینے جبران پر نظر رکھو۔ کیونکہ مقتول نے اپنی موت سے کچھ ہی دیر پہلے منیجر سے کہا تھا کہ وہ اس کے چاروں ساتھیوں کو تیرہویں میز پر نہ بیٹھنے دیں۔“

”اس سے کیا غرض۔“

”کاش تمہارے حصے میں بھینس ہی کی عقل آئی ہوتی۔“

”اس صورت میں بھی آپ کو بین بجانے کا موقع ضرور دیتا۔“

”بکو اس مت کرو.... جو کچھ میں کہوں اسے انجام دو۔ بس اب جاؤ۔“

”صرف ایک بات اور.... کیا ان پانچوں کا تعلق سرخ دائرے سے بھی ہو سکتا ہے۔“

”ابھی اس کا تصفیہ نہیں کر سکا۔ تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ہمیشہ زینہ بزینہ آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرو۔ اس طرح چھلانگ لگانے سے بھی اپنی ہی ریڑھ کی ہڈی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔“

”کیوں نہ میں آج رات ریکھا کو کینے جبران لے جاؤں۔“

بھی رہ چکا ہے۔“

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر لائبریری سے نکلا چلا گیا۔ پھر حمید اس وقت اس کے کمرے میں پہنچا جب وہ فون پر کسی کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

”ہیلو.... کینے جبران.... اوہ اچھا کیا منیجر ہیں۔ دیکھئے میں فریدی بول رہا ہوں۔ کرٹل.... کرٹل فریدی.... ذرا ڈیکارٹس کے متعلق کچھ پوچھنا ہے۔ کیا آپ مجھے یہ بتا سکیں گے کہ تیرہ نمبر کی میز کب اور کس تاریخ کو مخصوص کرائی گئی تھی۔ دیکھئے بھی.... رجسٹر بھی دیکھئے میں ہولڈ آن کئے ہوں.... شکریہ۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ ریسوراب بھی اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ اسی حالت میں تین منٹ گزر گئے۔ پھر اس نے کہا۔ ”اوہ.... اچھا بہت بہت شکریہ۔ جی نہیں ابھی تک ہمیں اس کا صحیح نام بھی نہیں معلوم ہو سکا۔“

وہ ریسوراب رکھ کر حمید کی طرف مڑا اور ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ ”یہ ساری معلومات عجیب ضرور ہیں۔ لیکن اس قتل سے بھی ان کا کوئی تعلق ہے.... یہ نہیں کہا جاسکتا۔“
”میں نہیں سمجھا۔“

”پچھلے سال ۱۸ فروری کو وہ تیرہ نمبر کے گھوڑے پر پچاس ہزار جیتا تھا، اور ۲۱ فروری کو اس نے کینے جبران میں تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرائی تھی۔ یعنی صرف تین دن بعد۔“
”لیکن آپ کو یک بیک یہ کیسے یاد آ گیا کہ اس کی تصویر اسپورٹ میں چھپی تھی۔ حالانکہ اس کا قتل تین دن پہلے کی بات ہے۔“

”وہ دراصل جوئے اور سٹے پر یاد آیا تھا۔ تیرہ کا عدد، پھر تیرہ نمبر کا گھوڑا، رپورٹر کے نوٹ میں لگی تحریر کا حوالہ، یہ سب ذہن میں محفوظ رہنے والی چیزیں ہیں۔ اگر تمہیں کبھی اس قسم کا اتفاق پیش آئے تو تم بھی یاد رکھو گے۔ مثلاً تیرہ کے عدد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ سعد ہے۔ لہذا اگر اسی نمبر پر تمہارے علم میں کوئی دوسرا ایک بڑی رقم جیت لے تو تم اسے ہمیشہ یاد رکھو گے۔“

حمید خاموشی سے اسپورٹ کے صفحات التارہا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا۔

”جو تمہارا دل چاہے کرو۔ بس اب دفع ہو جاؤ۔“ فریدی نے کہا اور اٹھ کر پھر لائبریری

میں چلا آیا

حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ لیکن اس کے چہرے پر بھی گہرے فکر کے آثار تھے۔



چاروں شریف آدمی ایک ایک کر کے کیفے جبران میں داخل ہوئے۔ ان میں سے تین مختلف میزوں پر بیٹھ گئے۔ ایک کو کہیں جگہ نہ ملی۔ پورے ہال میں صرف ایک میز خالی تھی اور یہ تھی نمبر ۱۳۔ اس پر اب بھی ریزرویشن کی تختی رکھی ہوئی تھی۔

وہ سیدھا شراب کے کاؤنٹر کی طرف گیا۔ کیفے جبران میں بار بھی تھی۔ ان چاروں نے اتنے حیرت انگیز طور پر اپنی شکلیں تبدیل کی تھیں کہ پہلے سے نشانیاں قائم کئے بغیر شاید ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے۔

بارنڈر نے اسے روز کا گاہک نہ سمجھ کر اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔ وہ دوسرے خریداروں کے جگ بیئر سے بھر رہا تھا۔

کیفے جبران اپنی بیئر کے لئے خاص طور پر مشہور تھا۔ یہ دراصل کئی قسم کی بیئروں کا مرکب ہوا کرتا تھا۔

جنٹل فورٹھ نے کاؤنٹر پر ہاتھ مار کر بھاری آواز میں بیئر طلب کی۔ بارنڈر نے اس کی طرف دیکھ کر سر ہلایا اور دوسروں کے جگ بھرتا رہا۔

بڑی دیر بعد اس کے آرڈر کی تعمیل کی گئی۔ جنٹل فورٹھ جھلایا ہوا تھا۔ مگر اس نے اپنی ظاہری حالت میں فرق نہ آنے دیا تھا۔

”وہ میز خالی ہے۔“ اس نے تیرہ نمبر کی میز کی طرف اشارہ کیا۔ ”حالانکہ اس پر ریزرویشن کا کارڈ موجود ہے۔ لیکن اگر اس دوران میں کوئی آگیا تو میں اٹھ جاؤں گا۔“

”نہیں جناب.... یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔“ بارنڈر نے لاپرواہی سے کہا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

جنٹل فورٹھ بیئر کا گھونٹ لے کر ہونٹوں کو رومال سے خشک کرتا ہوا کاؤنٹر سے ٹک گیا۔ وہ اپنے تین ساتھیوں کو ہال میں تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک اس کی نظر ایک دراز قد آدمی پر پڑی جو ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ سیاہ رنگ کے اوور کوٹ اور ٹوئیڈ کے پتلون میں تھا۔ اوور کوٹ کے کالر کانوں تک اٹھے ہوئے تھے اور سر پر سفید رنگ کی فلت ہیٹ تھی، جس کا اگلا گوشہ ناک پر جھکا ہوا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا تیرہ نمبر کی میز کی طرف آیا۔ ریزرویشن کی تختی اٹھا کر میز کے نیچے ڈال دی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا لیکن وہ جس انداز میں وہاں داخل ہوا تھا اس نے سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

جنٹل فورٹھ نے بارنڈر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر برا فروختگی کے آثار تھے لیکن اچانک اس کے ہاتھ سے بیئر کا جگ چھوٹ کر فرش پر آ رہا۔ جنٹل فورٹھ بوکھلا کر پھر میز کی طرف مڑا کیونکہ اس نے بارنڈر کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالت بغور دیکھی تھی۔ اس بار دوسرا جگ فرش پر گر کر اور یہ خود جنٹل فورٹھ کا جگ تھا۔ تیرہ نمبر کی میز پر بیٹھے ہوئے آدمی کا چہرہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ ستا ہوا زرد چہرہ، ویران آنکھیں اور ایک دوسرے پر جے ہوئے ہونٹ۔ لیکن یہ چہرہ جنٹل فرسٹ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر بارنڈر کی چیخ ہال میں گونج کر رہ گئی۔ کچھ اور لوگوں کی نظریں بھی تیرہویں میز پر بیٹھے ہوئے آدمی پر پڑ چکی تھیں۔ ان میں سے جو روز کے گاہک تھے بری طرح کانپ رہے تھے۔ کئی کمزور دل کے آدمی تو اپنی کرسیوں سے لڑھک کر فرش پر آ گرے۔ کیونکہ انہوں نے چند دن قبل اسی آدمی کی لاش دیکھی تھی۔

پھر وہاں گویا زلزلہ سا آگیا۔ میزیں الٹ گئیں۔ کرسیاں الٹنے لگیں۔ وہ لوگ جو ان واقعات سے واقف نہیں تھے وہ بھی اٹھ کر بھاگے۔ وہ اس لئے بھاگے کہ انہوں نے دوسروں کو بھاگتے دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہال کا مجمع سڑک پر پہنچ گیا۔ ان میں ”چاروں شریف آدمی“

بھی تھے۔

کینے سے برآمد ہونے والا آخری آدمی نیجر تھا۔ وہ ان چاروں کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ مگر اس کے چہرے پر خوف کے بجائے حیرت کے آثار تھے۔

”یہ کیا ہوا“ دفعتاً اس نے بارنڈر کا شانہ جھنجھوڑ کر کہا۔ جو اسکے پاس سے گذر رہا تھا۔

”اوہ..... جناب..... لک..... کیا آپ نے نہیں دیکھا۔“ وہ کانپتا ہوا بولا۔

”کیا نہیں دیکھا۔“ نیجر کے لہجے میں جھلکا ہوا تھا۔

”بھوت.....!“

”کیا مطلب.....!“

”ڈیکارٹس صاحب کا بھوت۔“

”کیا کہتے ہو..... کہاں ہے بھوت..... کدھر ہے بھوت۔“

”اچھا صاحب میں جھوٹا ہوں..... مگر یہ اتنے سارے لوگ۔“ اس نے جنٹل فورٹھ کی

طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”یہ صاحب تو وہیں میرے پاس کھڑے ہوئے تھے۔“

نیجر نے مستفسرانہ نظروں سے جنٹل فورٹھ کی طرف دیکھا۔

”میں کچھ نہیں جانتا۔“ جنٹل فورٹھ نے برا سامنے بنا کر کہا۔ ”میں نے دوسروں کو بھاگتے

دیکھا، خود بھی بھاگ کھڑا ہوا۔“

نیجر چند مستقل گاہکوں کی بھیڑ میں پہنچ گیا۔ انہوں نے بارنڈر کے بیان کی تصدیق

کردی اور نیجر نے انہیں بتایا کہ اسے کچھ بھی نہیں نظر آیا۔ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ اچانک اس

نے ہنگامے کی آواز سنی اور جس وقت وہ ہال میں پہنچا تو وہاں ایک متنفس بھی نہیں تھا۔

آہستہ آہستہ وہ پھر ہال کی طرف آنے لگے۔ حقیقتاً اب یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ تیرہ نمبر

کی میز خالی تھی اور اب ریزرویشن کی تختی بھی رکھی نظر آ رہی تھی۔ ویسے ہال کی ابتری کا یہ عالم

تھا جیسے وہاں تین چار سرکش قسم کے ساغر آہل میں لڑ پڑے ہوں۔

ان آدمیوں کی بھیڑ میں کیپٹن حمید بھی تھا۔ اس نے بھی تیرہ نمبر کی میز پر بیٹھنے والے

آدمی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ بس دوسروں کو بھاگتے دیکھ کر خود بھی کودتا پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا تھا

اور پھر جب اسے بھوت والی بات معلوم ہوئی تو وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔

پراسرار لڑکی

دوسرے دن جنٹل فرسٹ کے بھوت کا واقعہ شہر کے سارے اخبارات میں آ گیا۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر سبھی یقین کر لیتے۔ زیادہ تر لوگ اسے انواہ ہی سمجھتے تھے۔ بہر حال کسی پر کچھ بھی رد عمل ہوا ہو، چاروں شریف آدمی سب سے زیادہ پریشان تھے۔ وہ دوسری صبح ایک چھوٹے سے چائے خانے میں ملے اور پچھلی رات والے واقعے پر گفتگو شروع ہو گئی۔

”کیا اب ہمیں اپنی قسمیں توڑی دینی چاہئیں۔“ جنٹل ففٹھ نے کہا۔

”یقینی طور پر.....!“ سب بیک زبان بولے۔

”لیکن اس کے بعد ہم پل بھر کے لئے بھی جدا نہ ہوں گے۔“ جنٹل ففٹھ نے کہا۔

”کیوں.....؟“ جنٹل تھروڈ نے پوچھا۔ بقیہ دو کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی

اس کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔

جنٹل ففٹھ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اگر ہم جنٹل فرسٹ کو اپنی ٹولی سے الگ

نہ کر دیتے تو وہ کبھی نہ مارا جاتا۔ قاتل کو خدشہ لاحق ہوا ہوگا کہ کہیں اب وہ سیدھا پولیس اسٹیشن

نہ چلا جائے اور یہ بات تو ثابت ہی ہو چکی ہے کہ کوئی ہمیں قتل کے الزام میں پھنسانا چاہتا

ہے۔ ورنہ ہماری توڑی ہوئی تجویروں پر سرخ دائرے کیوں ملتے؟“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ جنٹل فورٹھ سر ہلا کر بولا۔ ”مگر فی الحال ہمیں اس بات کو یہیں ختم

کر دینا چاہئے۔ سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی روداد سنیں۔ آخر ہم کس

طرح کینے جبران کی تیرہویں میز پر پہنچے تھے۔ سب سے پہلے میں جنٹل سیکنڈ سے درخواست کروں گا۔“

”میں.....!“ جنٹل سیکنڈ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”جیل میں تھا..... ایک لمبی سزا کاٹنے

کے بعد رہا ہوا۔ جیل کے دروازے ہی پر میری ایک فقیر سے ملاقات ہوئی۔ وہ خود ہی سر ہو گیا

تھا۔ ورنہ ملاقات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں سمجھا کوئی دیوانہ ہوگا لیکن اس نے میرا شانہ جھنجھوڑ کر کہا تھا کہ تمہاری تقدیر کیسے جبران کی تیرہویں میز پر ہے۔ لیکن جو کوئی بھی تمہیں اس میز پر ملے اسے نہ تو تم اپنے متعلق کچھ بتانا اور نہ اس سے اس کے متعلق کچھ پوچھنا۔ اس سلسلے میں اس نے مجھے ایک بہت بڑی قسم دی تھی۔ البتہ اس کی اجازت تھی کہ میں اس میز پر بیٹھنے والوں کے ساتھ مل کر کوئی کام کر سکتا ہوں، اس میں سراسر فائدہ ہی ہوگا۔ بہر حال میں وہاں گیا۔ جنٹل فرسٹ سے ملاقات ہوئی اور میں نے تھوڑے ہی دنوں میں اندازہ کر لیا کہ وہ بھی میری ہی طرح ایک شاطر چور ہے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کی قلعی کھلتی گئی۔ پھر جنٹل تھرڈ بھی آگئے اور ہم تینوں نے لمبے لمبے ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔

جنٹل سیکنڈ خاموش ہو گیا۔ پھر جنٹل تھرڈ کی باری آئی اور اس نے اپنی روداد شروع کر دی۔ اسے سٹے کا شوق تھا۔ اسے بھی ایک فقیر کے ذریعے دو چار بار سٹے میں کامیابی ہوئی تھی اور وہ بھی اسی فقیر کے کہنے پر کیسے جبران کی تیرہویں میز پر آ گیا تھا۔ جنٹل فورٹھ جواری تھا۔ اسے بھی کئی بار ایک فقیر کی وجہ سے لمبی رقیں جیتنے کا اتفاق ہوا تھا اور پھر اسی فقیر کے ذریعے اس کی رسائی کیسے جبران کی تیرہویں میز تک ہوئی۔ جنٹل فورٹھ نے فقیر کا حلیہ بنا کر اپنے ساتھیوں سے اس کی تصدیق چاہی جنٹل سیکنڈ اور تھرڈ دونوں ہی اس سے متفق تھے۔

اب جنٹل ففٹھ کی باری آئی اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

”مجھے کبھی کوئی فقیر نہیں ملا۔ جس نے مجھے کیسے جبران تک پہنچایا تھا اسے کسی طرح فقیر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس کے پاس ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی سیڈان تھی اور وہ خود بھی اعلیٰ ترین لباس میں تھا ہوا یہ کہ ایک رات میں نے ایک بڑی جگہ پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ واپسی پر گشتی پولیس نے دوڑا لیا۔ اگر وہ لمبی سی سیاہ کارولا میری مدد نہ کرتا تو میرا پکڑ لیا جانا لازمی تھا اور پھر جب میں نے اس سے گفتگو شروع کی تو اس نے چوری کے متعلق وہ وہ گرتے کہ میں عیش عیش کرتا رہ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اکیلا آدمی ہمیشہ مار کھاتا ہے۔ کم از کم دو چار ساتھی تو ہونے ہی چاہئیں۔ اس کے بعد ہی اس نے مجھے کیسے جبرا کی تیرہویں میز کے متعلق بتایا۔ اس

نے کہا کہ تمہیں وہاں کم از کم چار آدمی ضرور ملیں گے۔ وہ تمہیں سب سے پہلے یہاں اس شہر میں چوری کرنے کے گرتائیں گے اور تم چند ہی مہینوں میں اتنا کمالو گے کہ ساری زندگی بیٹھ کر لکھا سکو۔ قسم اس نے مجھے بھی دی تھی کہ نہ میں ان لوگوں سے پوچھوں اور نہ اپنے متعلق انہیں کچھ بتاؤں۔ فقیروں وغیرہ پر میرا اعتقاد کبھی نہیں رہا۔ اب میں یہ سوچتا ہوں کہ شاید وہ نامعلوم آدمی ہم پانچوں کو بہت قریب سے دیکھتا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ہماری ذہنیاتوں کے مطابق ہمیں اس چکر میں پھانسنے کے طریقے اختیار کئے۔

”مگر دوست.....!“ جنٹل تھرڈ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”ہم لوگ تو اپنی بد اعتقادی کی وجہ سے پھنس گئے تھے۔ تمہیں کیا ہوا تھا۔“

”آہا! دوست میں جانتا تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔ میں دراصل اس آدمی کو کسی گروہ کا سرغنہ سمجھا تھا۔ وہ بڑا شاندار آدمی تھا۔ میں نے سوچا اس کے گروہ میں شامل ہو جانے کی بعد نامدے ہی میں رہوں گا..... مگر!“

وہ تینوں اس طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے جیسے انہیں اس کے بیان میں شبہ ہو۔ دفعتاً جنٹل ففٹھ کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک لہرائی اور وہ ایک طویل قہقہے کے بعد بولا۔ ”میں سمجھتا ہوں تم لوگوں کا خیال ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ دوستو! اگر میں جھوٹا ہوں تو نہ تو میں جنٹل فرسٹ کا قاتل ہو سکتا ہوں اور نہ جنٹل فرسٹ کا بھوت۔ کیونکہ ان دونوں ہی مواقع پر میں تم لوگوں کے ساتھ رہا ہوں۔“

”شبہ..... کمال کرتے ہو۔“ جنٹل سیکنڈ جلدی سے بولا۔ ”نہیں شبہ کیوں ہونے لگا۔ خیر اب اسے ختم کرو۔ ہم سب دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ نہ نکلتے ہیں اور نہ غرق ہوتے ہیں۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“

”اسے بھی فی الحال چھوڑو۔“ جنٹل فورٹھ بول اٹھا۔ ”پہلے ہمیں اس بھوت کے مقصد سے واقف ہونا چاہئے۔ کیا وہ سچ مچ بھوت تھا۔“

”بھوت.....!“ جنٹل ففٹھ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ ”میرے نزدیک بھوتوں کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ اس واقعے کو بھی اگر عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرو تو حقیقت

ظاہر ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نامعلوم آدمی اب ہمیں کیسے جبران میں نہیں دیا جاتا۔ یہ بات تو اخبارات میں بھی آچکی ہے کہ تیرہویں میز پر پانچ آدمی بیٹھا کرتے تھے اور قتل سے کچھ دیر قبل جنرل فرسٹ نے انتہائی غصیلے موڈ میں کیسے جبران کے منبر سے کہا تھا کہ آئندہ ہم چاروں کو تیرہویں میز پر نہ بیٹھنے دے۔ ظاہر ہے کہ پولیس کو انہی بناء پر ہم چاروں تلاش ہوگی اور وہ نامعلوم آدمی فی الحال یہ نہیں چاہتا کہ ہم پولیس کے ہتھے چڑھیں۔ جنرل فرسٹ کو بھی اس نے شاید اسی لئے قتل کر دیا کہ کہیں وہ پولیس تک نہ جا پہنچے۔

”یعنی اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ نامعلوم آدمی ہمیں ہر حال میں پہچان سکتا ہے۔“

جنرل فورٹھ بولا۔ ”ورنہ وہ بھوت کی بہروپ میں ہمارے سامنے کیوں آیا۔ ہم نے ان شکلوں میں کافی حد تک تبدیلیاں کر لی تھیں۔ اتنی تبدیلیاں کہ اگر سیاہ ٹائی کو اپنی پہچان قرار دیتے تو شاید ایک دوسرے کو پہچانا بھی مشکل ہو جاتا۔“

”ٹھیک ہے۔“ جنرل ففٹھ نے کہا۔ ”میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ ہمیں ہر حال میں پہچان سکتا ہے۔“

”پھر تو ہمیں ہر وقت موت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔“ جنرل سیکنڈ بولا۔

”میں اتنا ڈر پوک نہیں ہوں۔“ جنرل ففٹھ نے کہا۔ ”اتنی بدحواسی بھی ٹھیک نہیں ہے کہ چاروں بھیڑوں کو ایک بھیڑیا کھا جائے۔ میرے ذہن میں ایک دوسری تجویز بھی ہے کیوں ہم بھی اسے مکاری سے ماریں۔ ہم فی الحال یہ کیوں ظاہر کریں کہ ہم اُس سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔“



کیپٹن حمید بہت ادا اس تھا۔ کیونکہ ریکھانے اس کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا تھا کہ دونوں مل کر کام کریں۔ ظاہر ہے کہ حمید لڑکیوں کے معاملے میں کافی بدنام تھا اور وہ جھکے مٹے ابھی بالکل نئی نئی آئی تھی۔ اس لئے نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس پر انگلی اٹھانے کا موقع ملے۔

حمید بڑی دیر سے اس بات پر غور کر رہا تھا کہ آج وہ اسے کس طرح نیا گراہول میں لے جائے۔ جہاں آج قص کا پروگرام تھا۔ آخر اسے ایک تدبیر سوچ ہی گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا آجکل اپنا زیادہ تر وقت کنکس لین زوردا اسکوائر کے آس پاس گزارتی ہے۔ زوردا اسکوائر وہی عمارت تھی جہاں کچھ دن قبل ایک لاش پائی گئی تھی اور وہ لاش زوردا اسکوائر کے مالک مسٹر صد کی تھی۔ صد کے متعلق حمید نے بہت سی معلومات فراہم کر لی تھیں۔ محض اس لئے کہ ریکھا کی مدد کرنے کے یہاں اس کا قرب حاصل کر سکے۔ مگر حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ساری معلومات قطعی بیکار تھیں۔ ویسے ریکھا جیسی نوآموز کے لئے تو یہ بات بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی کہ صد بائیں ہاتھ سے لکھنے کا عادی تھا اور اس کے بائیں ہاتھ ہی کی انگلیوں پر رنگین چاک کے دھبے ملے تھے۔ اسی بنیاد پر اس نے اس قتل کے متعلق بہت کچھ سوچا تھا لیکن ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی تھی۔ حمید جانتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچے ہی کے لئے زوردا اسکوائر کے گرد منڈلایا کرتی ہے۔ لہذا وہ سرشام ہی کنکس لین کی طرف نکل گیا۔ وہ اپنی موٹر سائیکل پر تھا۔

گھر سے تو وہ اچھے خاصے محلے میں چلا تھا، لیکن ایک جگہ موٹر سائیکل روک کر وہ ایک پبلک پیشاب خانے میں گیا اور جب وہاں سے واپس آیا تو حلیہ ہی کچھ اور تھا۔ اس کی ناک کا نچلا حصہ اوپر کی طرف اٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی اوپری ہونٹ بھی اس طرح اوپر اٹھ گیا تھا کہ آگے کے دو دانت دکھائی دینے لگے تھے۔ یہ فریدی کا ایجاد کردہ ایک ریڈی میڈ میک اپ تھا۔ ناک کے دونوں نھنوں میں دو چھوٹے چھوٹے اسپرنگ اس طرح پھنسائے جاتے تھے کہ ناک کا نچلا حصہ اوپر اٹھ جاتا تھا۔ یہ میک اپ ایک بار کامیاب بھی ہو چکا تھا۔ اس لئے حمید نے اسی پر اکتفا کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا اسے نہ پہچان سکے گی اور وہ جب بھی چاہے گا محض دو انگلیوں کی ہلکی سی جنبش سے اپنی اصلی شکل میں آجائے گا۔

کنکس لین میں مڑتے ہی اس کی نظر ریکھا پر پڑی جو ٹھیک زوردا اسکوائر کے سامنے والے بک اسٹال کے شوکیس پر جھکی ہوئی تھی۔

حمید نے زوردا اسکوائر کے نیچے والے فٹ پاتھ کے قریب موٹر سائیکل روک دی۔ اُس نے ریکھا کو اپنی طرف مڑتا دیکھا لیکن اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بڑی تیزی سے زینوں

عورت ہوتی ہے، خواہ وہ محکمہ سراج رسانی کی انسپکٹر لیس ہو خواہ کسی مملکت کی صدر۔

”آج یہاں بڑا شاندار پروگرام ہے۔“ حمید ڈھٹائی سے بولا۔

”ہوگا.... میں واپس جا رہی ہوں۔“ ریکھا نے خشک لہجے میں کہا۔

”واہ.... بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابھی آپ اندر بھی نہیں گئیں۔“

”مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ آپ کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔“

”آہ.... میں کبھی غلط کام نہیں کرتا۔“ حمید نے فخریہ انداز میں کہا۔ ”آپ زندگی بھر کنکس

لین میں بھٹکتی رہیں تب بھی کامیابی ممکن نہ ہوتی۔ میں نے ذرا سی سی دیر میں کم از کم یہ تو معلوم

کر لیا کہ کنکس لین میں آپ کی بھی نگرانی ہو رہی ہے۔“

”کیا مطلب....؟ کون کر رہا ہے؟“

”ایک اینگلو انڈین لڑکی۔“ حمید نے کہا۔ ”وہ دیکھئے.... وہ ہال میں داخل ہو رہی ہے۔“

ریکھا مڑ کر دیکھنے لگی۔ اس نے زرد رنگ کے اسکرٹ کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی جو ہال

کے بڑے دروازے میں غائب ہو گئی تھی۔ حمید نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی۔ ریکھا حقیقتاً اس

سے ناواقف تھی کہ کنکس لین سے اس کی روانگی کے بعد ایک دوسری ٹیکسی بھی اس کے پیچھے

روانہ ہوئی تھی، لیکن یہ بھی درست تھا کہ حمید اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا ممکن

ہے وہ محض اتفاق ہی رہا ہو۔

”کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔“ ریکھا نے پوچھا۔

”میں نے آج تک کرٹل فریدی سے کم رتبے کے آدمی سے جھوٹ ہی نہیں بولا۔“ حمید

نے خشک لہجے میں کہا اور ہوٹل کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ ریکھا اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

پھر دونوں ساتھ ہی ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے۔

زرد اسکرٹ میں صرف ایک اینگلو انڈین لڑکی وہاں نظر آ رہی تھی اور وہ بہت خوبصورت

تھی، ریکھا سے بھی زیادہ۔ لہذا حمید نے سوچا کہ عاقبت سنوار نے کیلئے یہی بہتر ہوگا کہ وہ فی

الحال ریکھا کا خیال چھوڑ کر اسی اینگلو انڈین لڑکی سے اپنی توقعات وابستہ کر لے۔ اسے یہ بھی

دیکھنا تھا کہ وہ حقیقتاً ریکھا کا تعاقب کر رہی تھی، یا وہ محض اتفاق تھا۔

تک گیا، وہاں دو زانو بیٹھ کر اس طرح آگے کی طرف جھکا جیسے کوئی چیز اٹھا رہا ہو۔ راہداری کے زینے سڑک سے بھی دکھائی دیتے تھے اور ریکھا تو اب بک اسٹال سے کچھ آگے بڑھ کر اس کی اس حرکت کو غور سے دیکھنے لگی تھی۔

حمید پھر وہاں سے اٹھ کر بھاگتا ہوا موٹر سائیکل تک آیا اور اسے اتنی جلدی میں اسٹارٹ

کیا کہ خود اسے بھی شبہ ہونے لگا جیسے وہ سچ مچ کوئی جرم ہی کر کے بھاگ رہا ہو۔

ریکھا بڑی تیزی سے سڑک پار کر رہی تھی، کیونکہ دوسری طرف کے فٹ پاتھ سے لگی ہوئی

کئی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ اس نے بہت غلٹ میں ڈرائیور کو آگے جانے والی موٹر سائیکل کا

تعاقب کرنے کے سلسلے میں ہدایات دیں اور دوسرے ہی لمحے میں اس کی ٹیکسی حمید کی موٹر

سائیکل کا تعاقب کرنے لگی۔

نیگرا ہوٹل شہری آبادی سے بہت دور ایک پر فضا مقام پر واقع تھا اور یہاں کے اخراجات

اتنے زیادہ تھے کہ متوسط طبقے کے لوگ تو ادھر کارخ بھی نہیں کرتے تھے۔

نومیل کی مسافت طے کرنے کے بعد حمید نیگرا کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا، اور موٹر سائیکل

کو سیدھا گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔ یہاں کا قانون تھا کہ صرف وہی ٹیکسیاں کمپاؤنڈ میں

داخل ہو سکتی تھیں جنہیں گاؤں کے انتظار میں رکنا ہو۔ دوسری صورت میں وہ پھانک ہی پر

ظہرتی تھیں اور گیٹ سٹارچنٹ کا اسٹاف باہر سے آئے ہوئے مسافروں کا سامان ہوٹل کی

عمارت تک پہنچا دیا کرتا تھا۔

ریکھا کی ٹیکسی بھی پھانک ہی پر رک گئی۔ وہ شاید زندگی میں پہلی بار اس طرف آئی تھی۔

ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے وہ اندر چلی گئی، لیکن جس کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک آئی تھی وہ

غائب تھا۔

”اوہو.... آپ....! حمید نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

اب ریکھا اتنی گاؤدی بھی نہیں تھی کہ اسے اپنی غلطی کا احساس جلد ہی نہ ہو جاتا۔ حمید کا

حلیہ ضرور بدل گیا تھا مگر لباس اور قد و قامت تو کسی طرح بھی نہیں بدلے جاسکتے تھے۔

”میں سمجھ گئی۔“ ریکھا نے جھپٹنی ہوئی سی ہنسی کے ساتھ کہا اور حمید سوچنے لگا کہ عورت پھر

”بیٹھے۔“ حمید نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا۔ زرد اسکرٹ والی لڑکی یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی اور اپنے میز پر تہا ہونے کی وجہ سے چاروں طرف ایسے انداز میں دیکھ رہی تھی جیسے اسے کسی ساتھی کی ضرورت ہو۔

”میں ہرگز یقین نہیں کر سکتی حمید صاحب! آپ مجھے خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں۔“
”آپ یقین کر کے کریں گی بھی کیا۔ آپ جو کچھ بھی کریں گی اس کا ثواب براہ راست آصف کو پہنچے گا۔“ حمید نے جلتے جلتے لہجے میں کہا۔

اینگلو انڈین لڑکی انہیں بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔
”اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔ لیکن ایک بار پھر کہوں گا کہ میں نے یہ حرکت صرف اسی لئے کی تھی کہ آپ کی نگرانی کرنے والوں کے متعلق کچھ معلوم کر سکوں۔“

حمید نے کہا اور اٹھ کر ہاتھ روم کی طرف چلا گیا۔ واپسی پر اس کی ناک پھر اٹھی ہوئی تھی۔ ہونٹ کھل گئے تھے اور دانت باہر جھانکنے لگے تھے۔ اب وہ لڑکی کی پشت والی میز پر بیٹھ گیا تھا۔ ریکھا وہیں بیٹھی رہی جہاں پہلے تھی۔ لیکن اب وہ بھی یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ حمید کے بیان میں کتنی صداقت ہے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کاؤنٹر کے پاس پہنچی۔ اس سے آج کا پروگرام طلب کیا اور اس کی قیمت دے کر کاپی کو رول کرتی ہوئی ریکریشن ہال کی طرف بڑھ گئی۔ جیسے ہی وہ اس کے دروازے میں داخل ہوئی زرد اسکرٹ والی اینگلو انڈین لڑکی بھی اٹھ کر اسی طرف روانہ ہو گئی۔

پھر قتل

ریکریشن ہال میں کچھ لوگ اسکیٹنگ کر رہے تھے۔ رقص کا پروگرام شروع ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے، ریکھا نے گیلری کی ایک میز سنبھال لی۔ دونوں کناروں کی گیلریاں ابھی قریب قریب خالی ہی تھیں۔ کہیں کہیں اکا دکا آدمی نظر آ رہے تھے۔

زرد اسکرٹ والی اینگلو انڈین لڑکی اسی گیلری کے نیچے سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ گئی جس میں ریکھا بیٹھی ہوئی تھی۔ ریکھا اسے نکلیوں سے دیکھتی رہی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ لڑکی اسکیٹس پہنے ہوئے چوبی فرش پر تیرتی ہوئی نظر آنے لگی۔ وہ یقیناً اس میں کافی مشاق معلوم ہوتی تھی۔ اکثر وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی داہنے پیر کے نیچے پر کھڑی ہو کر لڑکی کی طرح ناچ جاتی۔

ریکھا نے حمید کو بھی اس کمرے کی طرف جاتے دیکھا جس میں اسکیٹس کا اسٹاک رہتا تھا، اور پھر دس منٹ بعد ہی وہ پیروں میں اسکیٹس لگائے ہوئے برآمد ہوا۔ لڑکی بہت تیزی سے اوپر سے نیچے آ رہی تھی۔ اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے وہ حمید سے ٹکرا جائے گی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی لیکن حمید بڑی صفائی سے کتر اکفر از کی طرف تیرتا چلا گیا۔ لڑکی بھی بڑی ڈھیٹ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ نشیب میں پہنچ کر پھر فرار کی طرف مڑی اور حمید نے یک لخت اپنا راستہ بدل دیا۔ اس بار لڑکی گڑبڑا گئی۔ اس کے پیر بہک گئے اور توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر وہ سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی۔ اگر وہ دیوار سے ہاتھ نہ لگا دیتی تو سر کے کئی ٹکڑے ہو گئے ہوتے۔ وہ گالیوں کی بو چھاڑ کرتی ہوئی پلٹ پڑی۔ حمید بھی حلق پھاڑ پھاڑ کر اسے سلواتیں ستانے لگا اور ریکھا اس کی اس صلاحیت پر دنگ رہ گئی۔

اسکیٹنگ کرنے والے ان کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔
”اے... اے مسٹر۔“ مجمع سے کسی نے کہا۔ ”آپ ایک خاتون سے گھنگو کر رہے ہیں۔“
”جی ہاں میں اندھا نہیں ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ خاتون ہیں۔“
”آپ کا لہجہ خراب نہ ہونا چاہئے۔“ اس کے سامنے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔
لڑکی اب وہاں نہیں تھی۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہاں ٹھہرنے میں اسی کی سبکی ہوگی۔ اس لئے اس نے کھک جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ وہ سیدھی اس کمرے میں چلی گئی تھی جہاں اسکیٹ رکھے تھے۔

ادھر لوگ حمید کی جان کو آ گئے تھے، اس نے نہ جانے کس طرح ان سے پیچھا چھڑایا۔
لڑکی اسکیٹ اتار کر ڈائینگنگ ہال کی طرف جا رہی تھی۔ حمید نے بھی اپنے اسکیٹ اتارے

اور اپنا کوٹ بھی اتار کر رکھیا کی میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ ”یہ سب کچھ آپ کے لئے کر رہا ہوں میرا کوٹ گھر پہنچا دیجئے گا۔ حالانکہ سردی بہت ہے مگر خیر میں صرف سوئٹر ہی میں بسر کروں گا۔
رکھنا نہ کھولے بیٹھی ہی رہ گئی اور حمید ریکریشن ہال سے چلا گیا۔ اس نے اسے ا وقت بھی بدلی ہوئی شکل میں دیکھا تھا جب وہ اسکیٹنگ کر رہا تھا، لیکن وہ اس طرح اپنا کور اتار کر کیوں پھینک گیا تھا۔ ریکھانے اسے احتیاط سے تہہ کر کے کرسی پر رکھ دیا۔



زرد اسکرٹ والی لڑکی ڈانٹنگ ہال میں بھی نہیں رہی۔ اس کے متعلق حمید کا اندازہ نہیں تھا۔ سڑک کی دوسری طرف کھڑی ہوئی ٹیکسی پھانک سے صاف نظر آ رہی تھی اور یہ ا لڑکی ہی کی ٹیکسی تھی، حمید کو یقین تھا۔ آخر اس نے اسے اس میں بیٹھتے دیکھا۔ گیراج زیادہ نہیں تھا، وہ جھپٹتا ہوا چلا اور موٹر سائیکل نکال کر سڑک پر آ گیا۔ مطلع غبار آلود نہ ہونے کی، پر اسے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ تاروں کی چھاؤں میں اس نے لڑکی کو ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھا۔ اگر آسمان پر بادل ہوتے تو شاید اسے ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ کیونکہ وہ لڑکی بہر پھرتی تھی۔

ٹیکسی کی عقبی سرخ روشنی بہت دور نظر آ رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آج وہ کچھ نہ کچھ کر کے ہی رہے گا۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ لڑکی گنکس لین میں ریکھا کی نگرانی کر رہی تھی۔ اگر نگرانی کر رہی تھی تو وہ یقیناً مجرموں ہی۔ کچھ نہ کچھ تعلق رکھتی ہوگی۔

چونکہ ٹیکسی اور موٹر سائیکل دونوں ہی خاصی تیز رفتار تھیں۔ لہذا شہر تک پہنچنے میں زیادہ نہیں لگی۔ مگر شہر میں پہنچ کر حمید بوکھلا گیا۔

اس نے نیا گرہ کے سامنے اندھیرے میں ٹیکسی کا صرف ڈھانچہ ہی دیکھا تھا، رنگت

اندازہ اندھیرے میں کیا ہوتا۔ شہر اور نیا گرہ کی درمیانی سڑک پر روشنی کا انتظام نہیں تھا ورنہ وہ راستے میں کم از کم اس کی رنگت سے تو واقف ہو ہی جاتا۔

بہر حال شہر میں داخل ہوتے ہی لڑکی والی ٹیکسی ٹریفک کے جھوم میں کھو گئی اور حمید ہاتھ ملتا رہ گیا۔ یہاں دائیں بائیں آگے پیچھے ٹیکسیاں ہی ٹیکساں تھیں۔

جسم پر کوٹ نہ ہونے کی وجہ سے ٹھنڈی ہوا کے تھپڑوں نے اس کا دماغ درست کر دیا تھا۔ اس ناکامی نے اسے بالکل ہی کھوپڑی کے باہر کر دیا اور اس کا دل چاہنے لگا کہ موٹر سائیکل کو کاندھے پر اٹھا کر بے تحاشہ پانچ سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے پاگل خانے کی طرف دوڑنا شروع کر دے۔

اس نے ایک جگہ رک کر رومال سے اپنی آنکھیں خشک کیں جن سے ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے راستے بھر پانی بہتا آیا تھا۔



حمید نے فریدی سے اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا۔ کرتا بھی کیا۔ فریدی سے اس ناعاقبت اندیشی کی جو دادرستی اس کا اندازہ اسے اچھی طرح تھا۔ حمید کو دل ہی دل میں اپنی اس غلطی کا اعتراف تھا۔ اسے اس لڑکی کے سامنے ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اسے گنکس لین ہی میں ریکھا کا تعاقب کرتے دیکھا ہوگا۔

مگر وہ اسے کیا کرتا کہ اس کا نام حمید تھا اور وہ ایک لڑکی تھی۔ جہاں یہ دونوں اقسام موجود ہوں وہاں جو کچھ بھی ہو جائے کم ہے۔ رہ گیا سر پینٹا تو وہ بعد کی بات ہے اور حمید کی تقدیر بھی۔

اس کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا کوٹ پہنچ گیا تھا۔ ریکھا خود نہیں آئی تھی اپنے نوکر سے بھجوا دیا تھا اور نوکر کو بھی تاکید کر دی تھی کہ وہ کسی نوکر ہی کے ہاتھ میں دے لیکن یہ نہ بتائے

”چلے اے بھی تسلیم کئے لیتا ہوں، لیکن اس معاملے میں یلو پیٹھر کو کیوں گھسیٹ رہے ہیں؟“
 ”اس لئے کہ اگلی ریس میں یلو پیٹھر دوڑنے والا تھا لیکن اب نہ دوڑے گا۔ دیکھو! ابھی
 تو میں واقعات کی کڑیاں ملارہا ہوں۔ کسی خاص نتیجے پر ابھی تک نہیں پہنچ سکا۔“
 ”یلو پیٹھر کیوں نہ دوڑے گا؟“

”اس کا مالک ہی مر گیا۔“

”کوئی نہ کوئی وارث تو ہو گا ہی۔ یلو پیٹھر تو سونے کی چڑیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کبھی
 نہیں ہارا۔“
 ”صمد کا وارث اس کا لڑکا ہے۔ لیکن وہ سختی سے مذہب کا پابند ہے۔ لہذا اب یلو پیٹھر
 ریس میں نہیں دوڑ سکے گا۔“

”تو آپ کا خیال ہے کہ صمد یلو پیٹھر ہی کی وجہ سے مارا گیا۔“

”ہاں..... میں یہی سوچ رہا ہوں۔ ابھی تک یہاں جتنے بھی ایسے قتل ہوئے ہیں جن میں
 سرخ دائرے کو بھی دخل رہا ہو، وہ سب ریس ہی سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھنے والے لوگ
 تھے، کیا تمہیں اُن دونوں جاکوں کے قتل یاد نہیں، وہ دونوں ہی ماہر ترین شہسوار تھے۔“
 ”تو پھر یہ کسی گھوڑے ہی کا چکر ہے۔“ صمد سر ہلا کر بولا۔ ”کسی کا کوئی نیا گھوڑا تیار
 ہو رہا ہوگا، یا ہو سکتا ہے، پرانا ہی ہو مگر پھسڈی..... میرا خیال ہے اسی ریس میں اول یا دوم آنے
 والا گھوڑا، ظاہر ہے کہ اب یلو پیٹھر تو دوڑے گا نہیں، کیوں نہ ہم یہ دیکھیں کہ یلو پیٹھر کے بعد
 کس کی کامیابی متوقع ہے۔“

”اگر تمہارا نظریہ صحیح بھی ہو تو کم از کم اس ریس میں اسکے دوڑنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔“
 ”کیوں.....؟“

”مقتل استعمال کرو۔ اس گھوڑے کا مالک دیدہ و دانستہ اپنی گردن کبھی نہ پھنسائے گا۔
 صاف ظاہر ہے کہ قتل اسی مقصد کے تحت ہوا ہے کہ یلو پیٹھر نہ دوڑ سکے۔ لہذا یلو پیٹھر کے بعد
 والے گھوڑے کے مالک پر قتل کا شبہ ضرور کیا جاسکتا ہے۔“

”نہیں آپ یقینی طور پر ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ قتل یلو پیٹھر کی وجہ سے ہوا ہے۔“

کہ وہ اسے کہاں سے لایا تھا۔

ریکھا حمید کے معاملے میں کچھ ایسی ہی محتاط ہو گئی تھی۔

حمید جب گھر پہنچا تو فریدی ڈرائیگ روم ہی میں بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا۔ لیکن یہ کوئی
 کتاب نہیں تھی بلکہ سفید کاغذ کے کچھ اوراق تھے جن پر پنسل کی تحریر تھی۔

اس نے حمید کو بتایا کہ وہ یلو پیٹھر کی ہسٹری دیکھ رہا تھا۔

”اور دوسری دلچسپ بات حمید صاحب۔“ اس نے کہا ”یہ ہے کہ کنکس لین والا مقتول

صمد ہی یلو پیٹھر کا مالک تھا۔“

”یلو پیٹھر کیا بلا ہے؟“

”اوہ..... وہی گھوڑا جس پر ڈیکارٹس نے پچاس ہزار جیتے تھے۔“

”اچھا.....“ حمید نے حیرت سے کہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ”مگر میں نہیں سمجھا..... آپ

آخر یلو پیٹھر کی ہسٹری کیوں لے بیٹھے۔ کیا وہ دونوں اس لئے مار ڈالے گئے کہ دونوں ہی نے

یلو پیٹھر کی وجہ سے مالی فائدہ اٹھایا تھا.....؟“

”نہیں یہاں کئی باتیں ہیں۔ یلو پیٹھر پر رقم جیتنے کے تین دن بعد ڈیکارٹس نے یا جو کچھ

بھی اس کا نام ہو، کیفے جبران کی تیرہویں میز پر رو کرائی تھی اور گھوڑے کا نمبر بھی تیرہ تھا۔

شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں جو میز ملی تھی اس پر بھی تیرہ ہی کا نمبر پڑا ہوا تھا۔“

”مگر اس کے لئے تو آپ کہہ چکے ہیں کہ جواری لوگ طاق اعداد.....!“

”ہاں ٹھیک ہے۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”مگر یہ تو سوچو کہ کیفے جبران ہی

کیوں؟ میز مستقل طور پر مخصوص کرائی گئی تھی، اور وہ اس کے لئے پانچ سو روپے ماہوار ادا کرتا

تھا۔ کیفے جبران کوئی بہت اچھی جگہ نہیں ہے۔ پھر ایک میز کا ریزرویشن پانچ سو روپے

ماہوار..... خدا کی پناہ۔ یہاں بہت بڑے بڑے ہوٹل ہیں لیکن اُن کے رہائشی کمرے بھی اتنے

گراں نہ ہوں گے۔ کیفے کے میجر کا کہنا ہے کہ مقتول نے پانچ سو کا آفر خود سے دیا تھا۔ ورنہ

اس طرح دائمی طور پر میزیں کہیں بھی مخصوص نہیں کی جاتیں۔ میرا خیال ہے کہ کبھی راجوں

مہاراجوں نے بھی اس قسم کی حماقت نہ کی ہوگی۔“

”لاش کیسے ملی؟“

”اسے گولی ماری گئی ہے۔ پڑوسیوں نے فارکی آواز اور اس کی چیخ سنی تھی۔ آپ آ سکتے ہوں تو آ جائیے۔ یقیناً کوئی نہ کوئی کلیو ہاتھ آ جائے گا۔“

”آصف موجود ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”جی ہاں.... اور وہ حضرت خواہ مخواہ دوسروں پر بھروسہ نہیں۔“

”اچھا.... میں آ رہا ہوں۔“ حمید نے کہا اور ریسپورر رکھ کر تقریباً دوڑتا ہوا ڈرائیونگ روم میں آیا۔ پھر اسے فریدی کو وہ بات بتانی ہی پڑی، جس کا تذکرہ اس نے ابھی تک نہیں کیا تھا اور نہ کرنا ہی چاہتا تھا۔

”بڑے احمق ہو....!“ فریدی اسے خونخوار آنکھوں سے دیکھتا ہوا غرایا۔ ”اگر تم نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ وہ ریکھا کا تعاقب کر رہی ہے تو تمہیں ان دونوں ہی سے کترانا چاہئے تھا۔“

”اب میں کیا بتاؤں کہ کیا ہو گیا۔ وہ بڑی خوبصورت لڑکی تھی، میں اس کی لاش کیسے دیکھ سکوں گا۔ آپ اگر جانا چاہتے ہوں تو جائیے۔“

”میں یوں بھی تمہیں ساتھ نہ لے جاتا۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”تو کیا آپ وہیں جائیں گے؟ میرا خیال ہے کہ آصف....!“

”اونہہ آصف....!“ فریدی بڑبڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کنکس لین پہنچ کر وہ پہلے مقتولہ کے فلیٹ میں نہیں گیا، بلکہ آس پاس والوں سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا۔ لڑکی کا نام سیسل پیکر انٹ تھا۔ وہ وہاں تنہا رہتی تھی۔ اس سے وہاں کبھی کوئی ملنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ پیشہ نامعلوم.... مدت قیام ایک سال تھی۔ پڑوسیوں میں نیک نام مگر پراسرار تھی۔ اسی قسم کی اور بھی بہتری معلومات فراہم کرنے کے بعد فریدی نے اس کے فلیٹ کا رخ کیا۔

یہاں آصف کی پارٹی ریکھا سمیت موجود تھی اور فنکر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافر مختلف مواقع کی تصویریں لے رہے تھے۔ لاش ایک طرف فرش پر پڑی تھی اور اس پر پولیس ہسپتال کا ایک ڈاکٹر جھکا ہوا تھا۔

”میں کہہ سکتا ہوں۔“ فریدی بڑی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ ”بلکہ بہت جلد ثابت بھی کر دوں گا۔ ویسے اپنی معلومات کیلئے سن لو کہ وہ دونوں مقتول جاکی صدمہ کے تنخواہ دار تھے، صدمہ کے پاس یلو پینتھر ہی نہیں چھ گھوڑے اور بھی تھے، وہ انہی دونوں جاکوں کے زیر تربیت تھے۔“

”مگر اس دن تو آپ کہہ رہے تھے کہ اس کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔“

”میں نے یہ کبھی نہ کہا ہوگا۔ تمہارے سننے میں فرق آیا ہے، میں نے کہا تھا کہ اس کے دو گھوڑے ریس میں جھڑپ لیتے ہیں، غیر تربیت یافتہ یا زیر تربیت گھوڑوں کی بات ہی نہیں۔“

وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ ایک نوکر نے آکر کسی کی فون کال کی اطلاع دی۔

”دیکھو یا رکون ہے۔“ فریدی جھنجھلائے ہوئے لہجے میں حمید سے بولا۔

”ہو سکتا ہے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب ہوں۔“

”کیوں! وہ کیوں؟ کوئی خاص بات۔“

”نہیں وہی پرانی بات، کہ تم بھی غافل نہ رہو۔“

”واہ....!“

”چلو دیکھو....!“ فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔

حمید ڈرائیونگ روم سے اٹھ کر فریدی کی خوابگاہ میں آیا۔ فون کا ریسپورمیز پر پڑا ہوا تھا۔

”ہیلو....!“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”کون صاحب ہیں؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ مگر یہ آواز کسی عورت کی تھی۔

”حمید! کیپٹن حمید۔“

”اوہ.... میں ریکھا بول رہی ہوں۔ دیکھئے جلد آئیے۔ وہ زرد اسکرٹ والی قتل کردی گئی اور وہی سرخ دائرہ اس کی لاش کے قریب موجود ہے۔“

”آپ کہاں ہیں؟“

”میں تنہا نہیں ہوں.... پوڈی پارٹی ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”وہیں کنکس لین میں۔ اس کی لاش زرد اسکوائر کے سامنے والی بلڈنگ کے ساتویں فلیٹ میں پائی گئی ہے۔“

آس پاس والوں کا بیان ہے کہ وہ اسی فلیٹ میں رہتی تھی۔“

فریدی اگلے پاؤں لوٹ آیا۔
 ”دوسروں کا احترام کرنا سیکھو۔“ آصف غصیلی آواز میں بولا۔

اُس کا عاشق

فریدی نے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ جواب دیا۔ ”میں جن کا احترام نہیں کرتا، ان میں چلنے پھرنے کی بھی سکت نہیں رہ جاتی۔“

اور پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر مقتولہ کے فلیٹ سے نکل آیا۔ ایک بار پھر اسے مقتولہ کے پڑوسیوں سے پوچھ گچھ کرنی پڑی اور اس نے اس گفتگو سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ کوئی اس کی عدم موجودگی ہی میں فلیٹ میں داخل ہوا ہوگا۔ ایک ایسا عینی شاہد بھی مل گیا تھا جس نے مقتولہ کو فلیٹ کا قفل کھولتے دیکھا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ہی عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ اس کا فلیٹ بھی اسی لائن میں تھا اور دونوں فلیٹوں کے درمیان صرف دو فلیٹ جائل تھے۔ وہ اسے قفل کھولتا چھوڑ کر اپنے فلیٹ میں چلا گیا تھا۔ پھر اسے اپنے فلیٹ میں داخل ہوئے بمشکل تمام دو یا تین منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اس نے فار اور چیچ کی آواز سنی۔

اب فریدی کی لئے ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ کیفے جبران سے تعلق رکھنے والی دو ہستیاں عجیب و غریب حالات میں قتل کر دی گئی تھیں۔ ایک کی لاش کے قریب سرخ دائرہ ملا تھا اور دوسری گو کہ سرخ دائرہ سے تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن اس کے سلسلے میں بھی سرخ دائرے کا اشتباہ موجود تھا کیونکہ شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں رنگین چاک کے ٹکڑے ملے تھے۔

فریدی نے اپنی کار کیفے جبران کے راستے پر ڈال دی۔ کلاک ٹاور کا گھنٹہ ایک بجاکر خاموش ہو گیا تھا۔ سڑکیں آہستہ آہستہ ویران ہوتی جا رہی تھیں۔ ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ نہ ہونے کی وجہ سے کیفے جبران تک کی مسافت طے کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔

کیفے جبران پوری طرح آباد تھا۔ فریدی نے کاؤنٹر کلرک سے نیچر کے متعلق پوچھا۔

لاش پر نظر پڑتے ہی فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ کیونکہ مقتولہ کی صورت کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھی۔ پھر اچانک اسے یاد آ گیا کہ اُس نے اسے ڈیکارٹس کے قتل والی رات کو کیفے جبران میں دیکھا تھا، وہ نیچر کے ساتھ تھی۔

آصف نے فریدی کو حیرت سے دیکھا وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی وہاں اس طرح پہنچ جائے گا۔ شاید اسے علم ہی نہ رہا ہو کہ قریب ہی ایک دوا خانے سے ریکھا حمید کو فون کر چکی ہے۔

”میں اس لڑکی کو پہلے سے جانتا تھا۔ تم کچھ اور نہ سمجھنا۔“ فریدی نے کہا اور لاش کی طرف دیکھنے لگا۔ گولی سر کی پشت میں لگی تھی۔ لاش جس پوزیشن میں پڑی تھی اس سے تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ حملہ آور کو دیکھ ہی نہ سکی ہوگی۔ لاش اوندھی پڑی تھی۔ فریدی نے لیفٹیننٹ سنگھ کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

”لاش اسی حالت میں ملی یا پوزیشن تبدیل کی گئی ہے؟“ اس نے اُس سے پوچھا۔
 ”نہیں ابھی اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔“ لیفٹیننٹ سنگھ نے کہا۔ ”آصف کا طریق کار جدید ترین ہے۔ لیکن خدا را یہ نہ پوچھے گا کہ اس سلسلے میں اس کا کیا خیال ہے۔“

”نہیں..... میں نہیں پوچھوں گا۔“ فریدی نے اس دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جس کے سامنے لاش پڑی ہوئی تھی۔ یہ دوسرے کمرے کا دروازہ تھا۔

فریدی اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ آصف نے ٹوک دیا۔

”کس کی اجازت سے۔“

”کام کے وقت ٹوکا نہ کرو۔“ فریدی نے کہا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔

دوسری طرف اور کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اس فلیٹ میں بھی دو کمرے تھے۔

ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوچا جاسکتا تھا کہ قاتل اس کی آمد سے پہلے ہی کسی طرح فلیٹ میں داخل ہو گیا ہوگا۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس کی دانست میں بھی پہلے سے موجود رہا ہو۔ مگر گولی کا نشانہ سر کی پشت پر تھا۔ اس لئے زیادہ قرین قیاس یہی بات تھی کہ حملہ مقتولہ کی لاعلمی ہی میں کیا گیا ہوگا۔

نیجر اپنے کمرے ہی میں موجود تھا۔ ایک ویڑنے اس کی رہنمائی کی۔

”اوہو! کرنل صاحب۔“ نیجر اٹھ کر قدرے جھکتا ہوا بولا۔ ”تشریف لائیے۔“

”میں سیسل پے کرافٹ کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؟“

”سیسل پے کرافٹ!۔۔۔“ نیجر بڑبڑایا۔ ”میں نہیں سمجھا۔“

”سیسل پے کرافٹ۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر آپ اس نام کے سچے پوچھیں تو میں نہ بتا

سکوں گا۔“

”میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔“ نیجر نے اس طرح کہا جیسے اپنی یادداشت پر زور

دے رہا ہو۔

”مجھے حیرت ہے۔“ فریدی مسکرایا۔ ”حالانکہ آپ اس لڑکی سے بہت زیادہ بے تکلف

معلوم ہوتے تھے۔“

”لڑکی! کیا یہ کسی لڑکی کا نام ہے؟“

”ہاں! مجھے جھلانے کا موقع نہ دیجئے تو بہتر ہے۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ”میں

اُس لڑکی کا تذکرہ کر رہا ہوں جو ڈیکارٹس کے قتل والی رات کو آپ کے ساتھ تھی۔“

”ہائیں!۔۔۔“ نیجر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ”کیا نام لیا تھا آپ نے!۔۔۔!“

”سیسل پے کرافٹ۔“

”نہیں جناب۔“ نیجر بے ساختہ ہنس پڑا۔ ”اس کا نام میری جیرنگٹن ہے۔“

”آپ کو یقین ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اب اس کا کیا جواب دوں۔“ نیجر نے شرمیلے انداز میں کہا۔ ”ہم بہت گہرے دوست

ہیں اور شاید ہمیں ایک دوسرے کی پشت ہا پشت کے نام زبانی یاد ہوں۔“

”تب تو یقیناً آپ کو بہت صدمہ ہوگا۔“

”کیا مطلب!۔۔۔؟“

”اس کا نام سیسل پے کرافٹ تھا اور اس کی شہادت تقریباً ایک درجن آدمی دیں گے۔“

خود اس کے پڑوسی۔“

”نہ جانے آپ کس کی بات کر رہے ہیں کرنل صاحب! یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مگر

آپ یہ سب کس سلسلے میں پوچھ رہے ہیں۔“

”میں جس لڑکی کے متعلق پوچھ رہا ہوں، اُسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔“

”کیا!۔۔۔؟“

”جی ہاں! قتل!۔۔۔ کنکس لین کی ایک عمارت میں۔“

”کنکس لین کی عمارت۔“ نیجر بڑبڑایا۔ ”سیسل ڈگراف۔“

”سیسل پے کرافٹ۔“ فریدی نے تھج کی۔ ”وہ اپنے رہائشی فلیٹ میں قتل کی گئی ہے۔“

”تب تو وہ میری جیرنگٹن نہیں ہو سکتی۔“

”کیوں؟ کوئی وجہ؟“

”وہ راجر اسٹریٹ میں رہتی ہے۔“ نیجر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”آپ نے تو

مجھے ڈرامی دیا تھا۔ کیا آپ کورس سے دلچسپی نہیں ہے؟“

فریدی نیجر کے اس سوال پر چونک پڑا۔

”آپ نے یہ کیوں پوچھا۔۔۔ کیا اس بات کا موقع تھا۔“

”جی ہاں۔۔۔ ریس سے دلچسپی رکھنے والا ہر آدمی میری جیرنگٹن سے ضرور واقف ہوگا۔“

کیونکہ وہ ریس کورس میں پریوں کی طرح اکھیلیاں کرتی پھرتی ہے۔ اس کے پاس دو نہایت

شاندار گھوڑے ٹمپٹ اور شہباز ہیں۔ اس بار ٹمپٹ اور یلو ٹمپٹر کا مقابلہ تھا۔ مگر اب شاید یلو

ٹمپٹر نہ دوڑ سکے۔ میں نے یہی سنا ہے، صمد کا لڑکا اسد تو بڑے مذہبی خیالات کا آدمی ہے۔ وہ

اب اسے ریس میں نہیں دوڑائے گا۔ پھر آپ یقین کیجئے کہ اس بار ٹمپٹ نے بازی جیت لی۔“

فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوا، اُس نے کہا۔ ”میری

یادداشت نے مجھے آج تک دھوکا نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے کہ مقتولہ وہی لڑکی ہے جسے میں نے

اس رات آپ کیساتھ دیکھا تھا۔ اچھا کیا اس کے کوئی بہن بھی ہے جو اس سے مشابہت رکھتی ہو؟“

”نہیں! میری جیرنگٹن کی کوئی بہن نہیں ہے۔“ نیجر نے کہا۔

فریدی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”کیا آپ تھوڑی سی

تکلیف برداشت کریں گے؟“

”فرمائیے! میرے لائق جو بھی خدمت ہو۔“ منیجر نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

”میں آپ کو کنکسن لین تک لے جانا چاہتا ہوں۔“

”میں ضرور چلوں گا مگر.....!“ منیجر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

فریدی نے مستفسر اندازوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”میں یہ عرض کر رہا تھا۔“ منیجر بولا۔ ”وہ کسی عورت کی لاش ہوگی۔ میں کس طرح دیکھ سکوں گا۔“

”مگر.....!“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”آپ کے جڑے کی بناوٹ تو کہتی ہے کہ آپ

بہت مضبوط دل کے آدمی ہیں۔ نہ صرف مضبوط دل کے بلکہ کسی حد تک سکندل بھی۔“

”ہوسکتا ہے۔“ منیجر بھی جواباً مسکرایا۔ ”مگر عورت کے معاملے میں نہیں۔ ایک بار قلم

تراش چاقو سے ایک عورت کی انگلی کٹ گئی تھی۔ میں نے خون بہتے دیکھا اور مجھے چکر آ گیا۔

اگر میرے ساتھی نے سہارا نہ دیا ہوتا تو گرتی پڑتا۔ ویسے آپ کہہ رہے ہیں تو میں ضرور چلوں

گا۔ کیونکہ آپ میرے ہیرو ہیں اور میں آپ کی دوستی کا خواہش مند ہوں۔“

”شکریہ.....!“

وہ دونوں کہنے سے باہر نکلے۔ فریدی نے اسے اپنی ہی کار میں بیٹھنے کی پیش کش کی۔

حالانکہ منیجر کی کار وہیں موجود تھی۔

”میں آپ کو پہنچا دوں گا۔“ فریدی نے کہا۔

”ارے نہیں.....!“ آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ کنکسن لین میں ٹیکسیوں کا اڈہ بھی تو

ہے۔“ منیجر نے فریدی کی کار میں بیٹھنے ہوئے کہا۔

کچھ دیر تک وہ خاموشی ہی سے سفر کرتے رہے۔ پھر فریدی بولا۔

”بڑی عجیب بات ہے۔ اس دوران میں جتنے بھی قتل ہوئے ہیں وہ سب کسی نہ کسی طرح

ریس ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ صدمہ کے دو جاکی اور صدمہ اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ اس لڑکی کے

گھوڑے بھی ریس میں دوڑتے ہیں۔“

”خدا آ آپ اس لڑکی کو قتل نہ کیجئے۔“ منیجر براہمان جانے والے لہجے میں بولا۔ ”ورنہ میں

بے موت مرجاؤں گا۔ آپ کسی سیسل پے کرافٹ کا تذکرہ کر رہے تھے۔ جو کنکسن لین میں

رہتی تھی۔ میری راجس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو کہ آپ کی میری محفوظ ہو۔“ فریدی بولا۔ ”خیر اس تذکرے کو

جانے دیجئے۔ میں ڈیکارٹس کے متعلق کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”ڈیکارٹس.....!“ منیجر نے ایک طویل سانس لی پھر بولا۔ ”وہ معاملہ تو میرے لئے سوہان

روح بن گیا ہے۔ ایسا بدنام ہوا ہے کہ خدا کی پناہ۔ بھوت والا واقعہ تو آپ نے اخبارات

میں پڑھایا ہوگا۔ عجیب چیز تھی وہ بھی۔“

منیجر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ جب اچھی طرح ہنس چکا تو بولا۔ ”میں اپنے آفس میں تھا کہ

ہال سے ہڑ بونگ کی آواز آئی۔ بوکھلا کر اٹھا تو میز کے پائے سے لٹک کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ مجھے

اچھی طرح یاد نہیں کہ کس طرح اٹھا، بہر حال..... جب ہال میں پہنچا تو عجیب کیفیت نظر آئی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں مہا بھارت ہوئی ہو۔ میزیں الٹی پڑی تھیں اور وہاں آلو بول رہا

تھا۔ البتہ باہر سے اب بھی غل غپاڑے کی آواز آرہی تھی۔ باہر نکلا تو لوگ بھوت بھوت چیخ

رہے تھے۔ حالانکہ میں ہال ہی میں سے گذر کر آیا تھا، اور مجھ سے قسم لے لیجئے جو مجھے وہاں کسی

کا سایہ بھی نظر آیا ہو۔“

”آپ کے یہاں بار بھی تو ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں.....!“

”پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی شرابی بہک گیا ہو۔“

”مگر جناب! میرا بارنڈر تو نشتے میں نہیں تھا۔ وہ قسم کھا کر کہتا ہے۔“

”ضرور وہ کمزور دماغ کا آدمی ہوگا۔ اکثر ضعیف الاعتقاد لوگوں کا خیال ہے کہ قتل ہونے

کے بعد آدمی بھوت بن جاتا ہے، اور اس کی روح انتقام کیلئے بھٹکتی رہتی ہے۔ خیر چھوڑئیے بھوتوں

کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔ ڈیکارٹس کے ساتھیوں میں سے بھی کبھی کوئی نظر آیا تھا۔“

”نظر آتا تو میں آپ کو ضرور مطلع کرتا، وعدہ کر چکا ہوں!“

”بڑے عجیب لوگ تھے۔ ڈیکارٹس کی قیام گاہ کا سراغ ہمیں مل گیا تھا لیکن وہاں کوئی

ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کی یا اس کے ساتھیوں کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ اچھا کیا آپ جانتی ہیں کہ ڈیکارٹس بھی ریس کارسیا تھا؟“

”کیا واقعی! تب تو میرا شبہ درست تھا۔“ نیجر بولا۔

”کیسا شبہ؟“ فریدی نے پوچھا۔

”پچھلے سال اسپورٹ میں ایک آدمی کی تصویر شائع ہوئی تھی جس نے یونیٹھر پر پچاس ہزار جیتے تھے۔ ڈیکارٹس ہو، ہو، ہو یا ہی تھا۔ مگر پچاس ہزار جیتنے والے کا نام کچھ اور تھا۔ مجھے یاد نہیں.... مگر ڈیکارٹس ہرگز نہیں تھا۔“

”وہ اس سے پہلے بھی آپ کا گاہک رہا ہوگا۔“

”جی نہیں.... اس کے بعد آیا تھا۔ آپ نے غالباً ایک بار مجھ سے فون پر بھی اس کے متعلق گفتگو کی تھی۔“

”جی ہاں! مجھے یاد ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا حقیقتاً ڈیکارٹس وہی آدمی تھا....؟“ نیجر نے پوچھا۔

”شاید! وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ میں نے بھی اسپورٹ میں اس کی تصویر دیکھی تھی۔ مگر اس سلسلے میں ایک بات بڑی دلچسپ ہے۔ آہا ٹھہریے! پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔“

”فرمائیے۔“

”کیا ان نے خاص طور پر تیرہ نمبر کی میز کے ریزرویشن پر اصرار کیا تھا....؟“

”جی ہاں!“ نیجر نے کہا۔ ”اور اسی لئے مجھے یہ بات آج بھی یاد ہے کہ یہ ریزرویشن پچاس ہزار جیتنے کے بعد ہوا تھا اور یہ بھی یاد ہے کہ اس جیت میں یونیٹھر کا نمبر تیرہ تھا اگر وہ تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرانے پر زور نہ دیتا تو مجھے یونیٹھر کا نمبر آج بھی یاد نہ ہوتا۔ آپ سمجھتے ہیں تا میرا مطلب! ایسا اکثر ہوتا ہے۔“

”جی ہاں! قطعی نفسیاتی معاملہ ہے۔“

رکنسن لین میں پہنچ کر فریدی نے اسی عمارت کے سامنے کار روک دی جہاں قتل ہوا

تھا۔ مگر انہیں معلوم ہوا کہ لاش وہاں سے لے جانی جا چکی ہے۔

”یہ تو برا ہوا۔“ فریدی بڑبڑایا۔

”اب ہمیں کہاں جانا ہوگا؟“ نیجر نے پوچھا۔

”اب تو بس کو توالی ہی چلنا ہوگا....!“

”چلے! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”آپ کا وقت برباد کر رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں.... آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ میں کوئی خاص کام نہیں کر رہا تھا۔ ویسے یہاں میری کے رہنے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ اتنی مفلس نہیں ہے کہ اس قسم کی عمارتوں کے فلیٹوں میں رہتی پھرے۔“

کار پھر چل پڑی اور وہاں سے کو توالی تک کے راستے میں وہ دونوں خاموش ہی رہے۔ کو توالی پہنچ کر فریدی نے مردہ خانے کا رخ کیا۔ اس وقت وہاں سنتری کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا جس نے فریدی کو دیکھتے ہی سیوٹ کیا۔

”وہ اس اینگوائین لڑکی کی لاش۔“ فریدی نے اس سے کہا۔

”نمبر دو میں جناب۔“ سنتری نے جواب دیا۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی پڑی تھی۔ فریدی نے جھک کر اس کا چہرہ کھول دیا۔ ساتھ ہی نیجر کے حلق سے ایک جگر خراش چیخ نکلی اور وہ چاروں شانے چت فرش پر گر گیا۔

”اوہو....!“ فریدی اُسے اٹھاتا ہوا بولا۔ ”یہ کیا کر رہے ہیں آپ.... اگر کسی کی نظر پڑ گئی تو زندگی تلخ ہو جائے گی آپ کی۔“

نیجر کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کھڑے کھڑے لہرا رہا تھا۔ یہ عالم تھا کہ اب گرا اور تب گرا۔ فریدی اس کے شانے پکڑے ہوئے تھا۔

”دیکھئے! سمجھئے! اتنی کمزوری.... نہیں آپ کو مرد ہونا چاہئے۔“

”مجھے یہاں سے لے چلئے۔“ نیجر آنکھیں بند کئے ہوئے پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔

”یوں نہیں! پہلے آپ خود کو سنبھال لیجئے۔ ورنہ کو توالی والے آپ کو تنگ کر ڈالیں گے۔“
 منیر لاش کی طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان میں
 عجیب طرح کی ویرانی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اندھا ہو گیا ہو۔

”ہاں! میں نے کہا کہ مجھے لے چلئے۔“ اس نے کہا۔

”فریدی نے اس کی آواز میں بھی ویرانی محسوس کی، اجنبیت محسوس کی۔ یہ اس آدمی کی
 آواز نہیں معلوم ہوتی تھی جو کچھ دیر قبل اس سے کار میں گفتگو کرتا رہا تھا۔“

”چلئے... لیکن اس طرح نہیں... ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے۔“

”چلئے!“ وہ باہر نکلتا ہوا بولا۔

پتہ نہیں... اس نے خود کو سنبھال لیا تھا یا ابھی تک اس پر وہی کیفیت طاری تھی۔

پھر کار میں بیٹھے ہی اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ فریدی نے اسے رونے
 دیا۔ وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

منیر نے پچکیوں اور سسکیوں سے ریمان بہا۔ ”اب راجس اسٹریٹ چلئے... میں آپ کو
 دکھاؤں میری وہیں رہتی تھی۔“

”میں آپ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ میری یادداشت مجھے بہت کم دھوکا دیتی ہے۔“

منیر کچھ نہ بولا۔ وہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سست پڑ گیا۔

”میں برباد ہو گیا۔ فریدی صاحب۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”دنیا میں اس
 سے زیادہ مجھے اور کوئی عزیز نہیں تھا۔ اس کا ہر شوق پورا کرتا تھا۔ اب میں کیا کروں گا... کیسے

جیوں گا۔ زندگی اندھیرے میں رہنے لگا ہوا ایک اڑدھا معلوم ہوگی۔“

”گھوڑ دوڑ سے تعلق رکھنے والا چوتھا قتل... اور سرخ دائرہ۔“

”سرخ دائرہ...“ دفعتاً منیر اچھل پڑا۔ ”کیا اس میں بھی سرخ دائرہ؟“

”جی ہاں! اس کی لاش کے قریب بھی فرش پر سرخ دائرہ دیکھا گیا ہے۔“

”میرے خدا یہ کیا ہو رہا ہے۔“ منیر بڑبڑایا۔ ”سرخ دائرہ صمد اور اس کے جاکیوں کی
 لاش کے قریب بھی ملا تھا۔“

فریدی کچھ نہیں بولا اور پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔ راجس اسٹریٹ کی جس
 عمارت کے سامنے منیر نے کار روکنے کو کہا تھا وہ بڑی شاندار تھی۔ وہ دونوں کار سے اتر کر اندر
 داخل ہوئے۔

صدر دروازے پر ایک صاف ستھرے ملازم نے ان کا استقبال کیا۔ غالباً وہ چوکیدار تھا جو
 اب تک جاگ رہا تھا۔ فریدی نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی۔ میری جبرنگن بیٹی طور پر رات
 گئے گھر آنے کی عادی تھی۔ ورنہ اس علاقے میں چوکیدار کی ضرورت نہیں تھی۔ ساتھ ہی فریدی
 نے یہ بھی محسوس کیا کہ منیر میری کی عدم موجودگی میں بھی بغیر روک ٹوک اس کے گھر میں جاسکتا
 ہے کیونکہ چوکیدار اس طرح ان کے پیچھے چل رہا تھا جیسے خود منیر ہی اس مکان کا مالک ہو۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ سامنے کی دیوار پر مقتول کی ایک بڑی تصویر آویزاں تھی اور
 فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

خان افضل

منیر نے یہاں پھر رونا شروع کر دیا۔ نوکروں کو بھی یہ بات معلوم ہوگئی اور وہ سب منیر
 کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ یہ تعداد میں پانچ تھے۔

”دیکھو! تم لوگ دیکھو!“ منیر روتا ہوا نوکروں سے بولا۔ ”اب میں کیا کروں... مجھے بتاؤ۔“
 نوکروں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سب بھی اپنے چہرے ڈھانپ کر سسکیاں لینے لگے تھے۔
 ذرا ہی سی دیر میں فریدی کے چہرے پر بیزاری کے آثار نظر آنے لگے۔

”اچھا اب آپ انہیں رخصت کر دیجئے۔“ فریدی نے نوکروں کی طرف دیکھ کر کہا۔
 نوکر وہاں سے ہٹا دیئے گئے اور وہ اپنی آنکھیں خشک کرنے لگے۔ جواب انگاروں کی
 طرح سرخ تھیں۔

”آپ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کسی دوسری جگہ سیسل ٹیکرافٹ کے نام سے بھی رہتی ہے؟“
 فریدی نے پوچھا۔

”جی نہیں.... میرے لئے یہ چیز اس کی موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوئی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا مقصد کیا تھا۔“

”اور یہی نہیں.... یہ کوئی دو چار دن کی بات نہیں۔ وہ پورے ایک سال سے وہاں اسی نام سے مقیم تھی۔“

”اب میں کیا بتاؤں جب کہ وہ مر چکی ہے۔ ایسی صورت میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ مجھے دھوکا دیتی رہی تھی.... بظاہر مجھے چاہتی تھی لیکن حقیقتاً وہ کوئی اور تھا جس سے اسے محبت تھی۔ وہ یقیناً کوئی غریب آدمی رہا ہوگا، جی تو اس گھٹیا سے فلیٹ میں!“

”نیجر کی آواز غصیلی ہوتی جا رہی تھی اور اب اس میں غم کا شائبہ بھی نہیں تھا۔“
”مجھے اس لئے چاہتی تھی کہ میری دولت اس کے لئے تن آسانیاں پیدا کرے اور روح کی تسکین کے لئے کوئی اور ہی تھا.... آف یہ عورتیں۔“

”تو یہ سارا ٹھاٹھ آپ ہی کی بدولت تھا۔“ فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔
”جی ہاں.... قطعی.... نہ صرف یہ بلکہ دوسرے شوق بھی میں ہی پورے کرتا تھا۔ مثلاً گھوڑ دوڑ کا شوق، ٹمپٹ اور شہباز میں نے ہی اسے خرید کر دیئے تھے میں سچ کہتا ہوں کہ صبح ہی انہیں گولی مار دوں گا.... لعنت ہے!“

”ابھی تو آپ رو رہے تھے جناب۔“
”بلاشبہ رو رہا تھا.... شاید زندگی بھر روتا رہوں۔ مگر یہ اب دیکھئے تاکہ مجھے دھوکا دیا گیا۔“

”آخر دوسری جگہ نام بدل کر رہنے کی کیا ضرورت تھی؟“
”اور آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ وہ ٹھیک زوردار سکوائر کے سامنے جا کر رہی تھی۔ اس عمارت کے سامنے جہاں صدر رہتا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ.... ہو....!“ نیجر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

”آخر یہ قصہ کیا ہے.... کہیں وہ کسی سازش کا شکار تو نہیں ہوئی۔“

”خدا جانے۔“

”کرمل صاحب پیہ لگائیے.... میں اس کے لئے اپنی ساری پونجی صرف کر دوں گا۔“

”کیوں، کیا پھر بھول گئے کہ اس نے آپ کو دھوکہ دیا تھا۔“
”اوہ....!“ وہ اپنے سر کی بال نوچتا ہوا بولا۔ ”میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میری سمجھ نہیں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔“

”فی الحال صبر کیجئے.... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔“
”کیا مطلب....؟“

”یہی کہ تاوقتیکہ میں اس کے متعلق سب کچھ نہ معلوم کر لوں۔“
”ٹھیک ہے.... مگر اب....!“

”کچھ نہیں.... اب ایک دوسری بات بھی سنئے۔ وہ آج محکمہ سراغ رسانی کے ایک فرد کا تعاقب کرتی ہوئی نیا گرہ ہوئل تک گئی تھی۔“

”کیا....؟ نہیں....؟ بھلا وہ کس طرح؟“
”ایک پارٹی سرخ دائرہ والوں کے سلسلے میں تفتیش کر رہی ہے نا.... اسی کے ایک رکن کا

اس نے تعاقب کیا تھا اور وہ تعاقب کنکس لین ہی سے شروع ہوا تھا۔“
”میرے خدا.... کیا کر رہی تھی میری!“

”میں آپ سے متفق ہوں کہ وہ کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ ورنہ خود بھی کیوں مار ڈالی جاتی.... کیوں؟ آپ خود سوچئے۔“

”جی ہاں....!“ نیجر حقیقتاً کچھ سوچ رہا تھا۔
”اور یہ سرخ دائرہ والے اتنے پھر تیلے اور چالاک ہیں کہ تعریف کرنے کو دل چاہتا

ہے۔ انہوں نے ایک جیتے جاگتے آفیسر کی پشت پر سرخ دائرہ بنا دیا۔“
”ارے....؟“

”جی ہاں....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اور میں آپ کو کیا بتاؤں.... لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ لوگ صرف گھوڑ دوڑ ہی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے پیچھے

کیوں پڑ گئے ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے۔ وہ یا تو تجوریاں توڑتے ہیں یا پھر گھوڑ دوڑ سے تعلق رکھنے والوں کو قتل کر دیتے ہیں۔“

”ہاں ٹھیک ہے۔ مگر دیکھئے.... میں یہ تو بھول ہی گیا تھا اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ آپ کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کریں گے کہ میری جبرنگن قتل کردی گئی ہے۔ اسے سیسل پیکرافٹ ہی بنی رہنے دیجئے۔ اس وقت تک جب تک مجرموں کو پکڑ نہ لوں۔ دوسری صورت میں پولیس آپ کو اس قدر پریشان کرے گی کہ آپ گھوڑوں کو گولی مارنے کے بجائے اپنا ہی خاتمہ کر لیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔ میں کسی کو بھی نہ بتاؤں گا۔“ فیجر نے کچھ سوچ کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”مگر نو کروں کو تو معلوم ہی ہو چکا ہے۔“

”آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ انہیں میں ٹھیک کر لوں گا۔ وہ اپنی زبان سے اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ نکال سکیں گے۔ اگر آپ سے کوئی میری جبرنگن کے متعلق پوچھے بھی تو کہہ دیجئے گا کہ وہ کہیں باہر گئی ہوئی ہے۔“

”میں یہی کروں گا کرل صاحب۔ مگر کہیں میرا بھی نمبر نہ آ جائے۔“

”کیا مطلب....!“

”مطلب! ارے دیکھئے نامہ مارڈالا گیا۔ اس کے جاکے ختم کئے گئے۔ محض یلو پیٹھر کی وجہ سے؟ یلو پیٹھر کے بعد ٹمپٹ کا نمبر آتا ہے۔ میری ٹمپٹ کی مالک تھی وہ اس طرح مار ڈالی گئی.... اور اب ٹمپٹ کا مالک میں ہوں.... نہیں جناب کرل صاحب! یا تو ٹمپٹ دوڑے گا نہیں یا پھر میں ہی اسے گولی مار کر اپنی جان بچاؤں گا۔“

”آپ پھر بہک گئے، مرد بنئے!“

فیجر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ذہنی کش مکش کے آثار تھے۔ آخر اس نے تموڑی دیر بعد مردہ سی آواز میں کہا۔ ”اچھا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کروں گا۔“

”گڈ! بس اب تموڑا سا وقت اور لوں گا۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”اچھا یہ بتائیے کہ ٹمپٹ کے بعد کسی کے جیتنے کی توقع ہو سکتی ہے؟“

”تھنڈر.... ہاں تھنڈر ہی تو ہے!“

”اس کا مالک کون ہے؟“

”تو پھر میں کیا کروں۔“ فیجر خوفزدہ سی آواز میں بولا۔ ”میں ان دونوں گھوڑوں کو گولی ہی مار دوں کیا...؟“

”کیوں؟ کیا ان دونوں کے دوڑنے سے مجرم آپ کی گرفت میں آجائیں گے؟“

”ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا.... ویسے توقع یہی ہے۔“

”مگر اب میں ایک دوسری بات بھی سوچ رہا ہوں۔“

”وہ کیا...؟“

”وہ دونوں گھوڑے میں نے میری ہی کے نام سے خریدے تھے۔ لہذا اس کے مرنے کے بعد وہ میری ہی ملکیت ٹھہرے.... نہیں کرل صاحب یہ سازش براہ راست میرے ہی خلاف کی گئی ہے۔“

”کیوں؟ آپ کے خلاف کیوں؟“ فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

”ظاہر ہے کہ یلو پیٹھر کے بعد دوڑ میں ٹمپٹ ہی کامیاب ہوگا۔ کیا لوگوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ ہو سکتا ہے میں نے ہی یہ سارا جال بچھایا ہو۔“

”ہاں شہرت تو ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

”پھر بتائیے! بہتر یہی ہے کہ میں یا تو انہیں فروخت کر دوں یا گولی مار دوں۔“

”نہیں میں ان میں سے کسی کے لئے بھی مشورہ نہیں دوں گا۔“

”پھر بتائیے! میں کیا کروں؟“

”کتنی بار کہوں کہ ٹمپٹ کو دوڑنے دیجئے۔ بقیہ میں دیکھ لوں گا۔“

”جیسی آپ کی مرضی۔ ویسے اب میرا دل ان کاموں سے بُری طرح اچاٹ ہو گیا ہے۔“

”اب میرے چند سوالات کے جواب دیجئے۔ اس کے بعد میں آپ کو کینے میں چھوڑ

آؤں گا۔“

”اب بھلا ایسی صورت میں کینے کی طرف جانا کہاں ہو سکتا ہے۔ رات میں یہیں بسر کروں گا۔ ورنہ یہ سارے نوکر رات ہی کو غائب ہو جائیں گے اور صبح یہاں جھاڑو پھری ہوئی نظر آئے گی۔“

”خان افضل.....!“ منجر نے کہا۔

”آہا..... خان افضل..... اوہ.....!“ فریدی ہونٹ کوڑ کر رہ گیا۔ وہ خان افضل سے اچھی طرح واقف تھا۔ خان افضل شہر کے ان بڑے بد معاشوں میں سے تھا جن کے عیوب دولت چھپا لیتی ہے۔ اگر اس کے پاس دولت نہ ہوتی تو اسے غنڈہ قرار دے کر شہر بدر کر دیا گیا ہوتا۔ مگر خان افضل جو دو تین ٹیکسریوں کا مالک تھا اور سرکاری تعمیرات کے ٹھیکے لیا کرتا تھا شہر بدر کیسے کیا جاتا؟ وہ بالکل پڑھا لکھا نہیں تھا، اس کے باوجود بھی اسے شہر کے بڑے بڑے تعلیمی اداروں کے جلسوں کی صدارت کرنی پڑتی تھی اور اس کے متعلق لوگ کہا کرتے تھے کہ خدا بڑا مسب الاسباب ہے۔ جو ڈنک مار دینے والی خطرناک مکھیوں سے شہر مہیا کرتا ہے۔ لہذا یہ اس کی شان سے بعید نہیں ہے کہ کسی جاہل اور کندہ ناتراش کو جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت کی توفیق عطا کر دے۔

تو خان افضل ایسا آدمی تھا کہ فریدی تھوڑی دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔ بہر حال پھر اس نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ پہلے کچھ دیر تک میری جبرنگن کے نوکروں کے اسکو پوکستار رہا۔ پھر منجر کو وہیں چھوڑ کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسرے دن سہ پہر تک وہ بہت مشغول رہا۔ اس نے پچھلی رات کے واقعات حمید کو بتا دیئے تھے اور حمید دن بھر انہیں کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

سہ پہر کو فریدی واپس آیا۔ حمید اس کا منتظر ہی تھا۔ اسے توقع تھی کہ اب یہ کیس تیزی سے آگے بڑھے گا کیونکہ اب فریدی پوری طرح اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ حمید نے اس کے آتے ہی میری جبرنگن کی گفتگو چھیڑ دی۔

”میری جبرنگن.....!“ فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”وہ ایک بڑی پراسرار لڑکی تھی۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس نے سیسل پے کرافٹ کے نام سے وہ فلیٹ اسی دن حاصل کیا تھا جس دن کینے جبران میں تیرہ نمبر کی میزبیز روکرائی گئی تھی۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ بھی ان پانچوں کی شریک تھی۔“

”کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ وہ پانچوں تو اس سرخ دائرہ سے بھی زیادہ پراسرار ہیں۔“

”کیوں کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سرخ دائرہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”میں ابھی کچھ نہیں سمجھتا۔ الجھی ہوئی ڈور کا ایک بہت بڑا گھڑ میرے سامنے پڑا ہوا ہے اور میں اس کے دونوں سرے تلاش کر رہا ہوں جس دن ایک سرابھی ہاتھ آ گیا اسی دن میں کوئی قطعی فیصلہ کر سکوں گا اور ہاں دوسری بات یہ کہ جب پچھلی رات آصف کو توالی سے اپنے گھر واپس جا رہا تھا ایک تاریک گلی میں کسی نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا اور پھر اس کی پشت پر وہی سرخ نشان بنا کر فرار ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آج چھٹی پر ہے اور اس کی بیوی صدقہ خیرات کر رہی ہے۔“

حمید ہنسنے لگا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ ”یہ سرخ دائرہ والے بھی بڑے ذہین اور ماہر نفیات قسم کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کون کس طرح مر سکتا ہے۔ اگر یہی عالم رہا تو آصف کچھ دن بعد گھر ہی سے نکلنا چھوڑ دے گا۔“

”مگر تم کہاں تھے..... رات میرے جانے کے بعد تم گھر پر تو نہیں تھے۔“

”ایک معمر عورت کی دلجوئی کر رہا تھا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اس کی عمر پینتالیس سال ہے۔ اسے اس بات کا بڑا قلق ہے کہ اب اس کی کوئی بھی پرواہ نہیں کرتا۔“

”بہت بدنام ہو رہا ہوں تمہاری وجہ سے۔“ فریدی برا سا منہ بنا کر بولا۔

”نہیں اب آپ کی بڑی شہرت ہوگی۔“ حمید سر ہلا کر سنجیدگی سے بولا۔ ”میں یہ کام فی سبیل اللہ کر رہا ہوں۔ لوگ کہنے لگے کہ کرل فریدی کے اسسٹنٹ کو دیکھو وہ بوڑھی عورتوں کو بھی اداس ہونے کا موقع نہیں دیتا۔“

”بکواس مت کرو۔ چلو تیار ہو جاؤ۔ ہمیں خان افضل کے یہاں چلنا ہے؟“

”خان افضل؟ کیا مطلب آپ جائیں گے اس کے یہاں؟“

”ہاں کام ہے۔“

”کس سلسلے میں.....؟“

”اسی سلسلے میں، ٹمپٹ کے بعد اسی کے گھوڑے تھنڈر کا نمبر ہے۔“

”اتنا میں بتائے دیتا ہوں کہ وہ بہت بدتمیز آدمی ہے۔“

نہیں کیا ہوا کہ جنگ شروع ہوتے ہی وہ پھیلنے اور بڑھنے لگا۔ ابتدا فوجی کپٹنوں میں مرغیاں
سلائی کرنے سے ہوئی تھی اور انتہا خدا جانے۔ کیونکہ اب بھی وہ پھیلتا اور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔
فطر اچڑا چڑا اور بد اخلاق تھا۔ گالیاں تو نوک زبان پر رہتی تھی۔

مگر فریدی اور حمید کا استقبال اس نے خندہ پیشانی سے کیا۔ کچھ دیر رسی گفتگو ہوتی رہی،
پھر فریدی اصل موضوع پر آ گیا۔ اس نے جیب سے میری جبرنگٹن کی تصویر نکالی اور اُسے دکھاتا
ہوا بولا۔ ”کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟“

”ارے..... ہائیں..... یہ تو میری ہے..... میری جبرنگٹن..... کیوں کیا بات ہے؟“
”اُس نے ابھی حال ہی میں ایک رپورٹ درج کرائی تھی۔“ فریدی نے کہا۔
”اس کا خیال ہے کہ کوئی اس کے گھوڑے ٹمپٹ کو آنے والی دوڑ میں شریک ہونے
سے روکنا چاہتا ہے۔“

”اور وہ خان افضل کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے..... کیوں؟“ خان افضل نے برا سامنے
بنا کر کہا۔ ”مگر تھنڈر ٹمپٹ کا باپ ہے۔ اس لونڈیا کا بھی دماغ خراب ہوا ہے۔ شاید..... کیوں؟“
”مجھے اس کی اطلاع تو نہیں ہے مگر میں اس ریس میں شریک ہونے والے سارے
گھوڑوں کے مالکوں سے مل رہا ہوں۔“

”ضرور ملے..... میں منع نہیں کرتا۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ وہ آپ کا قیمتی وقت برباد
کرا رہی ہے۔ اس کی ہسٹری مجھ سے سنئے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی باعزت عورت
ہے۔ ہرگز نہیں۔ آدھے درجن آدمیوں کو تو میں جانتا ہوں جن کی وہ داشتہ رہ چکی ہے۔ اب
آج کل گریشن کی دولت سے کھیل رہی ہے۔“

”کون گریشن! کیفے جبران کا منیجر نا.....!“

”ہاں وہی.....!“

”کیا گریشن دولت مند بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک منیجر.....!“

”منیجر.....!“ خان افضل نے ایک گونجیلا سا قبہ لگایا۔ ”وہ کیفے جبران کا مالک ہے.....“

یہی نہیں اس کے اور بھی درجنوں کاروبار ہیں۔ پکا فراڈیا ہے سالہ.....!“

”مجھے علم ہے۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔ ”تم تیار ہو جاؤ۔“

”آپ جانیے۔ میں تو برداشت نہ کر سکوں گا۔“ حمید نے کہا اور بڑبڑاتا ہوا کمرے کا
گیا۔ فریدی اس کا انتظار کرتا رہا۔ آج وہ دن بھر دوڑتا رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے کی تازگی
کہہ رہی تھی جیسے ابھی ابھی سوکراٹھا ہو۔

حمید چلنے کے لئے تیار ہو کر آ گیا لیکن وہ جنگی لباس میں تھا۔ خطرناک مہموں پر رواد
سے پہلے وہ عموماً سی قسم کی تیاریاں کیا کرتا تھا۔ اس کے جسم پر چمڑے کا جیکٹ ہوا کرتا تھا جو
کے استر میں اندر کی طرف ریوالور کے کارتوس رکھنے کے لئے بے شمار خانے تھے۔ جیکٹ کے
نیچے کمر پر ایک چوڑی سی پٹی جس سے دائیں بائیں دو ہولسٹر لٹکتے رہتے تھے اور ہولسٹروں میں
پڑے ہوئے ریوالور بھی خالی نہیں ہوا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر نہ تو وہ ٹائی باندھتا تھا اور
ایسی چلتون پہنتا تھا جن کے پائے ٹخوں سے نیچے ہوں۔

”بہت خوب.....!“ فریدی اسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا مسکرایا۔ ”اے میک کیو
چرواہے ہم کوئی ڈرامہ اسٹیج کرنے نہیں جا رہے ہیں۔“

”آپ نہیں سمجھتے! وہ بڑا لنگا ہے۔ ابھی پچھلے ہی مینے کی بات ہے اس نے ایک سب
انسپکٹر کو اپنے مکان میں بند کر کے بُری طرح پیٹا تھا۔ اس کے بعد اپنے کپڑے پھاڑے اور ج
پر دو چار خراشیں ڈال کر سیدھا کسٹرن صاحب کے بنگلے پر پہنچ گیا اور رپورٹ کردی کہ فلاں سب
انسپکٹر نے میرے ساتھ بدسلوکی کی ہے۔ بے چارہ سب انسپکٹر اس وقت تک بند رہا جب تک ا
کو تواری میں سب انسپکٹر کے خلاف رپورٹ نہیں لکھ لی گئی۔ جب وہ رپورٹ وغیرہ درج کرا
واپس ہوا تو اس کے آدمیوں نے سب انسپکٹر کو چھوڑا۔ وہ معاملہ ابھی تک چل رہا تھا۔“

”اچھی بات ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر میں پٹنے لگوں تو تم بھاگ آنا..... پوری
پوری اجازت ہے۔“

تھوڑی دیر بعد وہ خان افضل سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ خان افضل ایک بھارا
بھر کم آدی تھا۔ اس کے بڑے سے چہرے پر چوٹ کے کئی نشان تھے۔ آواز پاٹ دار اور گونجا
تھی۔ جنگ عظیم سے پہلے وہ ایک جنگ فیکٹری میں مشین صاف کرنے پر ملازم تھا۔ پھر

ایک.... دو.... تین

فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ گفتگو کرتے وقت خان افضل کی آنکھوں کی حرکت بند ہو جاتی تھی۔ نہ پلکیں جھپکتی تھیں اور نہ دیدے ہی جنبش کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پتھر کی آنکھیں ہوں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ فریدی ابھی تک اس کے چہرے پر خیالات یا جذباتی تغیرات کا عکس نہیں دیکھ سکا تھا۔

”وہ کچھ بھی ہو افضل صاحب۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اچھے گھوڑوں کے مالکوں اور جوکیوں کی شامت آگئی ہے۔“

”کیوں...؟“

”صدا اور اس کے جاکیوں کے قتل۔“

”ہاں... آں! میں نے بھی اکثر اس کے متعلق سوچا ہے، لیکن میں خائف نہیں ہوں، آپ یقین کیجئے۔“

”سرخ دائرہ والوں نے اب تک یا تو تجوریاں توڑیں اور پھر ان لوگوں کو قتل کیا ہے جن کا کچھ نہ کچھ تعلق گھوڑ دوڑ سے بھی ہو۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“

”میں اگر اپنا خیال ظاہر بھی کر دوں تو آپ کو اسے سے کیا فائدہ پہنچے گا؟“

”ہو سکتا ہے فائدہ پہنچ ہی جائے۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے کسی ایسے ہی آدمی سے فائدہ پہنچے گا جس کا تعلق گھوڑ دوڑ سے ہو اور غالباً آپ بھی اسے سمجھتے ہوں گے کہ قانون کی مدد کرنا بڑی اچھی بات ہے۔“

”مگر مجھے پولیس کے محکمے سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔“

”ہونی بھی نہیں چاہئے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”کیوں...؟“

”کسی زمانے میں آپ پولیس کے ہاتھوں بہت تنگ ہوئے ہوں گے۔“

حمید فریدی کو روک نہ سکا۔ صرف دل ہی دل میں جھنجھلا کر رہ گیا۔

خان افضل اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ دونوں اس کے سامنے ایسے لگ رہے تھے جیسے دبا شیعہ بیٹھے ہوں۔

”بس اب تشریف لے جائیے۔“ وہ ہاتھ پھیلا کر دھاڑا۔ ”اگر یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی یا آپ فریدی صاحب کے ساتھ نہ ہوتے۔“

”مجھے افسوس ہے افضل صاحب، آپ تشریف رکھئے۔“

”نہیں جناب۔“ اس نے کہا اور ایک لحظہ دوسرے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

وہ تنہا بیٹھ رہے۔

”تم بڑے سُر ہو۔“ فریدی حمید کی طرف دانت پیتا ہوا بولا۔

”واقعی بڑی غلطی ہوئی۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ دو ہاتھ ہو جائیں گے۔ مجھے کوئی اس سے بھی زیادہ سخت بات کہنی چاہئے تھی۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے... چلو اٹھو۔“

وہ دونوں باہر آئے۔ فریدی کا موڈ بہت خراب ہو گیا تھا اور حمید کی کس بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔

”آپ آج کل اتنے بھولے کیوں ہو گئے ہیں؟“ حمید نے کہا۔

”بکواس مت کرو۔ بلکہ مجھ سے فی الحال الگ ہی ہو جاؤ تو بہتر ہے۔“

”ارے آپ کیا بات کر رہے ہیں۔ وہ اس موضوع پر کوئی گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔“

”میں کہتا ہوں خاموش رہو۔“

حمید پھر نہیں بولا۔ کارسزک پر دوڑتی رہی۔

یہ واقعات ہی بڑے عجیب تھے۔ اب تک جتنے بھی کیس ہوئے تھے انہیں مجرم یا مجرموں نے ایک بھی ایسا نشان نہیں چھوڑا تھا جس سے ان کا سراغ ملنے میں مدد ملتی اور وہ سرخ دائرہ۔

فریدی کا خیال تھا کہ وہ سرخ دائرہ دراصل اسی لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ پولیس کو مجرم کا سراغ ہی نہ مل سکے۔ اس لئے فریدی کے پاس ایک نفسیاتی توجیہ تھی اس کا کہنا تھا کہ لوگ سرخ نشان دیکھ کر بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی

مجرم سے کوئی غلطی ہی سرزد نہ ہو۔ اس کے ثبوت میں وہ ڈیکارٹس کے حوالہ قتل کا واقعہ پیش کرتا تھا، اس میں مجرم نے دوسروں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ ڈیکارٹس نے خودکشی کی ہے لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا، اس نے سریا سینے کی بجائے گردن کے ایک پہلو پر راتھل سے فائر کیا تھا۔ بہر حال اس کیس میں سرخ دائرہ کو دخل نہیں تھا۔ اسی لئے یہ معمولی سی بات ہر ایک کی سمجھ میں آگئی تھی۔ لیکن اگر وہاں وہ سرخ دائرہ موجود ہوتا تو شاید اس کی طرف دھیان دینے کی بھی ضرورت نہ پیش آتی۔ بس یہ اطمینان ہو جاتا کہ یہ حرکت سرخ دائرہ والوں ہی کی ہے اور رزنا بچوں کی خانہ پری کر دی جاتی۔

بہر حال تین دن گذر گئے اور وہ ادھر ادھر بھرتا رہا۔ دوسری طرف اعلیٰ حکام ناک میں دم کئے ہوئے تھے کہ اب اسے اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہئے۔ لیکن وہ باضابطہ طور پر اس کا انچارج بننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ڈی۔آئی۔ جی نے اسے سمجھایا بھی کہ اس کا مقصد محض یہ تھا کہ آصف وغیرہ کی نالائقی کا خود انہیں یقین دلایا جائے، کیونکہ انہیں اعلیٰ حکام سے جانبداری کی شکایت تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ فریدی اور حمید کے علاوہ اور کسی کو موقع ہی کب دیا جاتا ہے کہ انہیں اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کا اتفاق ہو۔

آصف کا یہ عالم تھا کہ اب اس کی روح لرزے لگی تھی۔ سرخ دائرہ کے نام ہی پر اس کا منہ اتر جاتا تھا۔ میری جبرنگن کے قتل والی رات کے واقعہ نے اسی طرح اس کے حواس گم کر دیئے تھے مگر اس کی وجہ اسکی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ مجرم ہمیشہ محض ہلکی سی تنبیہ کر کے اسے چھوڑ کیوں دیتا ہے۔ بہر حال آصف کا بُرا حال تھا اور وہ خدا سے دعا کر رہا تھا کہ اب شہر میں کوئی ایسی واردات نہ ہو جس کے سلسلے میں اسے وہ منحوس سرخ دائرہ دیکھنا پڑے۔ مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی دعا قبول ہی ہو جاتی۔ میری کے قتل کی دوسری ہی رات کو ایک بینک کی کچھ تجوریاں ٹوٹ گئیں اور ان تجوروں پر وہی سرخ دائرہ موجود تھے۔

فریدی ایک ایک کر کے اگلی ریس میں حصہ لینے والے سارے گھوڑوں کے مالکوں سے مل چکا تھا۔ لیکن حمید کو یقین تھا کہ خود فریدی کی نظروں میں بھی ان ملاقاتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اور اب وہ یہ بھی محسوس کرنے لگا تھا کہ فریدی غیر معمولی طور پر خاموش رہنے لگا ہے۔

اسی سے اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اب یہ کیس کی فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے والا ہے۔ فریدی ایسے مواقع پر عموماً خاموش ہی ہو جایا کرتا تھا۔

پھر ایک دن حمید کو معلوم ہوا کہ وہ آئندہ ہونے والی ایک ریس کا منتظر تھا اور پھر شاید زندگی میں پہلی بار ان لوگوں نے ریس کورس میں قدم رکھا۔ اس سے قبل انہیں کسی کیس کے سلسلے میں بھی وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ فریدی تو خیر تھا ہی محتاط آدمی لیکن حمید کو بھی ریس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مگر جب اس نے ریس کورس میں قدم رکھا تو اسے دل ہی دل میں عہد کرنا پڑا کہ وہ آئندہ بھی یہاں آتا رہے گا۔ کیونکہ وہاں مردوں سے زیادہ عورتیں تھیں۔

ریس شروع ہونے میں ابھی دیر تھی۔ فریدی اصطبلوں کی طرف بڑھا جو یہاں سے دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھے۔

”کہاں.... ادھر کیا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”عورتوں کے سوا اور سب کچھ ہے۔“ فریدی نے رخ لہجے میں کہا۔

گھوڑے اصطبلوں سے نکالے جا رہے تھے۔ وہاں کیفے جبران کے مالک یا منیجر گریش سے ملاقات ہو گئی۔

”آہا... کرٹل صاحب... آئے آئے! کیا بتاؤں... آج مجھے یہاں آنا پڑا۔“ گریش نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ”اور جناب، میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں بھی خطرے میں ہوں۔“

”کیوں؟ کوئی خاص بات...؟“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”دو دن سے کچھ نامعلوم آدمی کیفے جبران کی بگرانی کر رہے ہیں۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ وہ بڑے منظم طریقے پر یہ کام کرتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو میں بھی چل بسا یا پھر اب آپ لوگ پریشان کریں گے۔“

”میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”ہو سکتا ہے کہ وہ آپ ہی کے محکمے کے آدمی ہوں۔“

”میرے محکمے کے! نہیں میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی اسکیم نہیں تھی۔ خیر میں دیکھوں گا کہ

ریس کا سگنل ہونے سے کچھ دیر قبل ہی وہ وہاں پہنچ گئے جہاں سے انہیں ریس دیکھنی تھی۔۔۔ سگنل ہوا، گھوڑے دوڑ پڑے۔۔۔ میری خیرنگن کا ٹمپٹ دوسرے نمبر پر تھا۔ خان افضل کا تھنڈر اس کے آگے جا رہا تھا۔ اچانک ایک تیسرے گھوڑے نے تھنڈر کے آگے نکلنے کی کوشش کی۔ اس طرح وہ ٹمپٹ کے برابر پہنچ گیا۔ ٹمپٹ اور تھنڈر میں بہت کم فاصلہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹمپٹ بھی تھنڈر کے برابر پہنچ گیا۔ تیسرا گھوڑا دونوں کے پیچھے رہ گیا۔ تھنڈر اب ٹمپٹ کے پیچھے تھا۔ پھر ایک بیک ٹمپٹ سر کے بل نیچے چلا گیا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہ آ سکا کہ وہ کیسے گرا۔ خان افضل کا تھنڈر طوفان کی طرح آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

اور پھر کچھ دیر بعد تھنڈر کی جیت کا اعلان کر دیا گیا۔ ٹمپٹ کے گرد بھیر اکٹھا ہو گئی تھی اور زیادہ تر تماشائی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے کیونکہ سب سے زیادہ ٹکٹ ٹمپٹ ہی کے نمبر کے بکے تھے۔ ادھر ٹمپٹ کا جاکو تو گرتے ہی ختم ہو گیا تھا کیونکہ وہ بھی سر کے بل ہی گرا تھا اور اس کے سر کی ہڈیاں چور چور ہو گئی تھیں۔

ٹمپٹ کو تھوڑی دیر بعد گولی باردی گئی کیونکہ اس کے ایک پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ گریش دیوانوں کی طرح چیختا پھر رہا تھا۔ ”یہ دھوکا تھا۔۔۔ یہ سازش تھی۔“ پھر اس کی آواز لاؤڈ سپیکر پر سنی گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”کرنل صاحب۔۔۔ خدا را ٹمپٹ کی لاش کے پاس آئیے۔ میں ثابت کر دوں گا کہ یہ سازش تھی۔۔۔ جلد آئیے۔“ بڑی عجیب بات تھی۔ مردہ جاکو کی کسی کو بھی پرواہ نہیں تھی۔ نہ گریش کو نہ تماشائیوں کو۔ گریش گھوڑے کی لاش پر ماتم کر رہا تھا اور تماشائی اپنی لگائی ہوئی رقم کے خالص ہونے پر آہیں بھر رہے تھے۔ ایک آدمی بھی مر گیا تھا۔ مگر وہ آدمی نہیں تھا۔ وہ تو صرف جاکو تھا۔ جاکو بہت ملتے ہیں مگر ٹمپٹ جیسے گھوڑے نایاب ہیں۔

”مجھے کیوں بلایا ہے؟“ فریدی نے گریش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”اوہ۔۔۔ کرنل صاحب۔“ گریش گلوگیر آواز میں بولا۔ ”سازش۔“

”ہاں۔۔۔ ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے اس کی موت سے زیادہ جاکو کی موت سے سروکار ہے۔“

”وہ کون لوگ ہیں۔“

”مگر کرنل صاحب!“ گریش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر یہ صرف گھوڑوں کی ہار جیت کا معاملہ ہے تو آدمی کیوں قتل کئے جا رہے ہیں؟ بہتر اور کم خطرناک طریقہ یہ تھا کہ وہ گھوڑے ہی ختم کر دیئے جاتے۔ مثلاً یلو ہینتھر، ٹمپٹ یا اور کوئی جن کی طرف سے خدشہ ہوتا۔“

”میں خود بھی حیرت میں ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور میں ابھی تک اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکا۔“

”مگر یہاں ریس کورس میں آپ کی موجودگی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آج یہاں کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔“ گریش نے کہا۔

”آپ کا خیال صحیح ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”آج یہاں۔۔۔!“

”اوہ مسٹر گریش۔“ فریدی نے حمید کو جملہ پورا کرنے کا موقعہ دیئے بغیر کہا۔ ”آپ اس وقت بہت مصروف معلوم ہوتے ہیں، ہم پھر ملیں گے۔“

فریدی اس سے مصافحہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ پھر وہ دونوں اس جگہ جاکر رکے جہاں اصطبلوں کا سلسلہ ختم ہوا تھا۔

یہاں پہنچے ہوئے انہیں تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک اصطبل سے ایک بدویّت آدمی نکل کر ان کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر اس نے فریدی کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ ویسے حمید جو بشرہ شناسی میں کچھ نہ کچھ دخل رکھتا تھا اس کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں قائم کر سکا۔

”سب ٹھیک ہے جناب۔ میں نے بہت کڑی نظر رکھی ہے۔ آپ لوگوں کے علاوہ ابھی تک ادھر کوئی غیر جانا پہچانا آدمی نہیں آیا۔“

”اور کوئی خاص بات۔“

”نہیں جناب۔۔۔ اور سب ٹھیک ہے۔“

”اچھا جاؤ۔۔۔!“

وہ چلا گیا۔ حمید نے اس کے متعلق پوچھا۔ مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔

یقیناً سازش کرنے والے کی سزا موت ہی ہونی چاہئے۔ اس کا کیا نام تھا....؟“
”سندر....!“ گریش نے کہا۔

”ہاں.... اچھا.... آپ نے مائیکروفون پر کہا تھا کہ آپ اسے سازش ثابت کریں گے۔“
فریدی نے کہا۔

”جی ہاں.... میں ثابت کر دوں گا۔ میں سچ کہتا ہوں آپ سے.... اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ کسی کی حرکت ہے تو میں اسے اسی طرح گولی مار دوں۔“

پھر اس نے ٹمپٹ کا ٹوٹا ہوا پیر اٹھا کر کہا۔ ”یہ دیکھئے.... اس کی نعل غائب ہے۔“ حقیقتاً اس کے ٹوٹے ہوئے پیر کی نعل غائب تھی۔

فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ”ہاں.... ہے تو....“
اور وہ متحس نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”اس ریس کورس کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ دوڑتے وقت کسی گھوڑے کی نعل نکل گئی ہو۔“ گریش نے کہا۔

”سائیکس کہاں ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”سائیکس.... اوہ.... سائیکس.... کمال ہے.... یہ سب کچھ ہو گیا اور سائیکس ندارد۔“ گریش بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

فریدی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے اسے کئی قسم کے معنی پہنانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

”کیا وہ اس وقت اصطبل میں موجود تھا، جب گھوڑا لایا جا رہا تھا؟“ فریدی نے پوچھا۔
”جی ہاں قطعی تھا.... آہ.... میں بھی کتنا گدھا ہوں.... یہ حرکت سائیکس کو ملائے بغیر تو ہو

ہی نہیں سکتی۔“
”نعلیں کس نے جاچی تھیں؟“

”کمپنی کے ایگزامینر نے.... میں بھی موجود تھا۔ اس نے نعلیں کی طرف سے بے اطمینانی نہیں ظاہر کی تھی۔“

”ریس شروع ہونے سے کتنی دیر پہلے جاچ کی گئی تھی؟“
”شاید دو گھنٹے قبل.... جی ہاں.... اور کیا!۔“

”میں ایگزامینر اور سائیکس دونوں سے ملنا چاہتا ہوں۔“

ایگزامینر نے فریدی کے استفسار پر صاف کہہ دیا کہ جس وقت اس نے جاچ کی تھیں نعلیں میں کسی قسم کی کوئی غامی نہیں پائی گئی تھی۔ اس کے بعد اگر کچھ ہوا تو وہ اس کے لئے ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا۔

”نعل تو بہر حال رہی ہوگی۔“ گریش بولا۔ ”میرے جاک! ریس شروع ہونے سے دس منٹ قبل بھی نعلیں کی جاچ کرتے ہیں۔“

”تب پھر یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ دوڑتے دوڑتے ایک نعل نکل گیا۔ آپ یقین کے ساتھ اسے سازش نہیں قرار دے سکتے۔“

”آپ جانئے۔“ گریش برا سامانہ بنا کر بولا۔ ”میں نے آپ کو آگاہ کر دیا۔“
”یہ میرا قطعی فیصلہ نہیں تھا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”میں صرف امکانات پر غور کر رہا

ہوں۔ خیر اب ہمیں سائیکس کو بھی دیکھنا چاہئے، کیونکہ اس وقت تو نعل بدلی نہیں جاسکتی جب گھوڑا دوڑ رہا ہو۔“

وہ اصطبل میں آئے.... سائیکس غائب تھا۔ دوسروں سے پوچھ گچھ کرنے کے باوجود بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

”دیکھ لیا آپ نے....!“ گریش نے کہا۔ ”حالانکہ اسے گھوڑے کی واپسی تک یہیں رہنا چاہئے تھا۔“

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لیکن اس کی متحس نظریں اب بھی اصطبل میں چاروں طرف بھٹکتی پھر رہی تھیں۔

اچانک بھوسے کے ایک ڈھیر میں حرکت ہوئی اور ایک پیر اس میں سے نکل کر فرش پر پھیل گیا۔

”ارے....!“ گریش اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

”تم یہ نہ سمجھو کہ میں مجرم سے واقف نہیں ہوں۔ اس کے خلاف کوئی ثبوت اب تک میرے ہاتھ نہیں لگا۔ جس دن مجھے اس کی طرف سے اطمینان ہوا.... مجرم کے ہاتھوں میں جھڑپاں دیکھ لینا۔“

”تھکے ہوئے ذہن کی بات ہے۔ مگر خیر اسی بات کی خوشی ہے کہ ابھی اس میں ابج کا مادہ باقی ہے جسے آپ پکڑیں گے کہہ دیں گے کہ میں نے اسی کے لئے کہا تھا۔“

”ابے کیوں غصہ دلاتا ہے مجھے۔“ فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔

”غصے میں بھی آپ ثبوت مہیا کئے بغیر اسے گرفتار نہیں کریں گے۔ میں جانتا ہوں۔“

”پرواہ مت کرو.... ویسے اگر تم چاہو تو میں تمہیں مجرم کا نام اور پتہ لکھ کر دے دوں۔ مگر

اسے اس وقت تک نہ دیکھنا جب تک مجرم گرفتار نہ ہو جائے۔“

”اچھا چلے.... یہی سہی۔“

فریدی نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اسے لفافے میں رکھتے ہوئے کہا۔

”میں اسے سیل کر کے تمہارے سپرد کر دوں گا۔“

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بولنے والا شاید کوئی بہت ہی اہم بات کہہ رہا تھا۔ فریدی کے چہرے پر کچھ اسی قسم کے آثار تھے۔

آخر فریدی نے یہ کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔ ”میں ابھی آ رہا ہوں۔“

”کیوں اب کیا ہوا؟“

وہی پراسرار آدمی پھر دکھائی دیئے ہیں جو ریس والے حادثات سے پہلے کینے جبران کی نگرانی کرتے رہے تھے۔

”وہ...!“

”چلو اٹھو...!“

”کیا اٹھوں.... میں جب بھی وہاں جاتا ہوں میری جیرنگن بُری طرح یاد آنے لگتی ہے اور ساتھ ہی ریکھا کی بے مہری بھی۔ خیر میں بھی دیکھوں گا کہ یہ صاحبزادے کتنے پانی میں ہیں۔“

”افسوس یہ ہے کہ عورت آدمی کو جنم دیتی ہے اس کی قبر نہیں بن سکتی۔ ورنہ میں تمہارے

پھر وہ بڑی تیزی سے بھوسے کے اس ڈھیر کو ادھر ادھر پھیلانے لگا۔

”یہی.... یہی ہے۔“ گریش نے بے ساختہ کہا۔ ایک بیہوش آدمی فرش پر پڑا تھا۔ اس کے سر کا پچھلا حصہ بُری طرح زخمی تھا۔ کسی وزنی چیز سے اس کے سر پر ضرب لگائی گئی تھی۔

”میرے اندازے بہت کم غلط ہوتے ہیں۔“ گریش بڑبڑا رہا تھا۔ ”سازشی یہ سمجھا تھا کہ میری کی موت کے بعد ٹیمپٹ بھی نہ دوڑ سکے گا۔“

”پہلے اسے ہوش میں لانا چاہئے۔“ فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

تقریباً آدھ گھنٹے کی جدوجہد کے بعد وہ ہوش میں آیا۔ لیکن اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ غیر تشفی بخش تھا۔

اس کے بیان کے مطابق کسی نے اس کی لائٹ میں عقب سے حملہ کیا تھا۔ سر کی چوٹ نے اسے مڑ کر دیکھنے کا بھی موقع نہ دیا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکا۔ حتیٰ کہ کسی پرشبہ ظاہر کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

”شاید اسکاٹ لینڈ یارڈ والے بھی سرخ دائرہ والوں کا سراغ نہ پاسکیں۔“ فریدی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ ”کم بخت غلطی کرنا تو جانتے ہی نہیں۔“

شکار کے لئے

تین دن تک وہ پھر کھیاں مارتے رہے۔ یہ حمید کا خیال تھا کہ آج کل وہ لوگ کھیاں مار رہے ہیں۔ ریس کورس والے واقعات کے بعد سے پھر کوئی واردات نہیں ہوئی تھی اور وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ حمید فریدی کو بات بات پر چھڑتا رہتا۔

”جناب...!“ وہ کہتا۔ ”یہاں پانچ زندگیاں ختم ہو گئیں اور تفتیش کا یہ عالم ہے کہ ہنوز روز اول.... کیا میں یہ سمجھ لوں کہ آپ ذہنی طور پر تھک گئے ہیں۔“

”ناممکن نہیں ہے۔“ فریدی کا جواب ہوتا۔

آج تو دونوں میں صبح ہی سے بڑی گرم گرم بحث ہو رہی تھی۔ آخر فریدی نے ٹنگ آ کر کہا۔

لے اس کی کوشش کرتا۔“ فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور حمید ہنسنے لگا۔
پھر وہ دونوں کیفے جبران کے لئے روانہ ہو گئے۔ فریدی کار کو کیفے جبران تک نہیں لے گیا، بلکہ اسے ایک فرالاگ کے فاصلے پر ایک گلی میں کھڑا کر کے پیدل ہی کیفے جبران کی طرف چل پڑا۔

”ٹھہرو...!“ فریدی چلتے چلتے رک کر بولا۔ ”ہاں ہے تو... گریش نے یہی حلیہ بتایا تھا۔ وہ کیفے کی مخالف سمت میں فٹ پاتھ... اب وہ سیاہ ڈاڑھی والا...!“
”آہ... ہے تو... پھر...؟“

”تم نہیں... اسی جگہ ٹھہرو... میں عقبی دروازے سے کیفے میں جاتا ہوں۔“
فریدی حمید کو وہیں چھوڑ کر کیفے میں چلا گیا۔ وہ عقبی دروازے سے داخل ہونے پر ہال سے گذرے بغیر منبر کے کمرے تک پہنچ گیا۔

”اوہ آپ آ گئے۔“ گریش اٹھتا ہوا بولا۔ ”ایک باہر موجود ہے اور دوسرا ہال میں۔“
”بتائیے میں کیا کروں؟“
”فکر نہ کرو... ہال میں کون ہے!“

”وہ بھی ڈاڑھی ہی میں ہے اور اس کے جسم پر سفید کوٹ ہے۔“
”کیا بس یہ صرف نگرانی ہی کیا کرتے ہیں یا کوئی اور بھی حرکت؟“ فریدی نے پوچھا۔
”میرے اختلاج کے لئے یہ نگرانی ہی کیا کم ہے جناب۔“

”میں دیکھوں گا کہ یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
”ویسے میں ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“
”فرمائیے...!“

”میری جبرنگٹن کے سلسلے میں آپ کا کوئی رقیب تو نہیں تھا...؟“
”اس جبر کا تو اب نام ہی نہ لیجئے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ صرف میری پابند ہوتی تو سیسل کے نام سے نکلسن لین میں بھی کیوں رہتی۔“

”کیا آپ کسی ایسے آدمی سے واقف نہیں ہیں جس کی نظر اس پر رہی ہو؟“

”وہ ایک خوبصورت عورت تھی۔ ہر ایک کی نظر اس پر رہی ہوگی۔“
”آپ کسی پر شبہ نہیں ظاہر کر سکتے؟“

”نہیں، میں خواہ خواہ کسی کی گردن نہیں پھنساؤنا چاہتا۔“
”مجھے اس کے عاشقوں کی لسٹ چاہئے۔“

”کیا اب آپ میرا مضحکہ اڑانا چاہتے ہیں کرل صاحب۔“
”نہیں... میں ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“
”مجھے علم نہیں ہے۔“ منیر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

”خیر آپ نہ بتائیے... لیکن حان افضل ازم از کم اس کے نصف درجن عاشقوں کے نام تو بتائیے گے گا۔“

”کیا مطلب...؟“
”سردار افضل نے اس کے کثیر العشاق ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔“
”تو وہ کتنا... اب اس طرح مجھے بھی ذلیل کرنا چاہتا ہے۔“ گریش نے غرا کر کہا۔

”میری عورتیں صرف میری پابند رہی ہیں۔ یقیناً میری کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ آپ نے بتایا تھا کہ وہ کسی سرکاری سراغ رساں کا تعاقب کرتی ہوئی نیا گرائنگ گئی تھی۔“
”ہاں... میں نے کہا تھا۔“

”پھر آپ بتائیے میں کیسے سمجھ لوں کہ وہ بھی کسی سازش کا شکار نہیں تھی۔ اگر وہ صرف عشق کا معاملہ تھا تو نام تبدیل کر کے عشق کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی۔“
”حالانکہ عشق میں نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔“ فریدی مسکراتے ہوئے بولا۔ ”خیر اسے چھوڑیے۔ میں ذرا اس ڈاڑھی والے سفید کوٹ کو بھی دیکھ لوں۔“

وہ عقبی دروازے سے نکل کر پھر گلی میں پہنچ گیا۔ وہ کیفے کے صدر دروازے سے ہال میں داخل ہوتا چاہتا تھا۔ سڑک پر پہنچ کر اس نے اس سمت نگاہ ڈالی جہاں حمید کو چھوڑا تھا۔ مگر حمید نظر نہیں آیا اور کیفے کے سامنے والے فٹ پاتھ پر وہ آدمی بھی موجود نہیں تھا جس کی نگرانی کے لئے اس نے حمید کو ہدایت کی تھی۔ البتہ اس کی بجائے... مگر فریدی فوری طور پر اس کا فیصلہ

اُسے پہنچ جانا چاہئے۔

فریدی کے لئے ایک سیکنڈ کی بھی دیر کرنا ناممکنات میں سے تھا۔ اب وہ ارجن پورے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کیس سے بُری طرح اکتا گیا ہوتا۔ دوسرے اکتا ہی گئے تھے۔ آصف کی پارٹی کو تو ابھی تک سیسل پیکرافٹ ہی کی حقیقت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ کیونکہ اخبارات میں اس کے قتل کی خبر شائع ہوئی تھی۔ تصویر نہیں چھپی تھی۔ ریکھا کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ لڑکی قتل کر دی گئی جس نے اُس کا نیا گرہ تک تعاقب کیا تھا۔ لیکن فریدی نے اسے اس چیز کا اظہار کرنے سے بھی روک دیا تھا۔ بہر حال ابھی تک یہ بات ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ سیسل پیکرافٹ کے نام سے قتل ہونے والی میری جبرنگ تھی۔

چائے خانے میں حمید سے ملاقات ہوئی۔ فریدی کو دیکھتے ہی حمید کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ چاروں اسی عمارت کی اوپری منزل پر رہتے ہیں اور ابھی حال ہی میں ایک پانچواں آدمی بھی ان کا شریک ہوا ہے۔“

”کس کی باتیں کر رہے ہو۔“ فریدی بڑبڑایا۔

”شروع سے سنئے۔ میں اس آدمی کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں وہ اوپری منزل پر چلا گیا اور میں نے یہاں اس کے متعلق پوچھ گچھ کی۔ وہ تعداد میں چار ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو اس لئے عجیب معلوم ہوتے ہیں کہ چاروں ڈاڑھی والے ہیں اور پانچواں جو ان کے بعد آیا ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”کون ہے؟“

”کیشو۔“

”اوہ..... ہو! وہ نقب زن۔“

”جی ہاں..... وہی۔“

”اچھا..... پھر۔“

”اس وقت کیشو بھی اوپری منزل پر موجود ہے۔“

فریدی کچھ سوچنے لگا اور حمید نے کہا۔

نہ کر سکا کہ اس دوسرے نے پہلے کی جگہ سنبھالی ہے۔ وہ ایک ملبوسات کی دوکان کے شوکیس پر جھکا ہوا تھا۔ لیکن اس کا حلیہ اسی آدمی کا سا تھا جس کے متعلق گریش نے اطلاع دی تھی کہ وہ کیفے کے ہال میں موجود ہے یعنی ڈاڑھی والا جس کے جسم پر سفید کوٹ تھا۔

میک اپ کے ماہر فریدی کو اس کی ڈاڑھی کچھ مصنوعی ہی معلوم ہو رہی تھی۔ اس آدمی نے شوکیس کے پاس سے ہٹ کر ایک نظر کیفے کی طرف ڈالی اور ملبوسات کی دوکان میں چلا گیا۔ فریدی تیزی سے چلتا ہوا کیفے کے ہال میں آیا۔ مگر یہاں کوئی ایسا آدمی موجود نہیں تھا جس کے سیاہ ڈاڑھی ہوتی۔ وہ پھراتی ہی تیزی سے واپس آیا۔ سڑک پار کرتے وقت اس نے تیز قدمی کا مظاہرہ نہیں کیا، ملبوسات کی دوکان میں ڈاڑھی والا اب بھی موجود تھا۔ فریدی دوکان میں داخل ہو گیا اور اس نے دوکان دار سے جدید ترین تراش کے فراکوں کی فرمائش کی۔ دواصل اس آدمی کو قریب سے دیکھ کر اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ وہ میک اپ میں ہے یا نہیں؟

دوسرا آدمی اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اپنے سامنے پھلے ہوئے ملبوسات کا جائزہ لینے لگا۔ دو چار فراک دیکھنے کے بعد فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ”مجھے تو کبھی اچھے معلوم ہو رہے ہیں۔ مگر پہننے والی۔۔۔۔۔“ پھر وہ اس طرح بڑبڑانے لگا جیسے بلند آواز میں سوچ رہا ہو۔ ”وہی آکر لے جائیں گی۔“ پھر دوکاندار سے بولا۔ ”اچھا..... بہت بہت شکریہ..... شام کو چہ آئیں گے۔ ممکن ہے ناپسند کر دیا جائے۔“

دوکان سے نکل کر پبلک فون بوتھ سے اس نے سادہ لباس والوں کے لئے ایک قریبی اسٹیشن کو فون کیا اور شاید دو ہی منٹ بعد دو آدمی وہاں پہنچ گئے۔ فریدی انہیں سیاہ ڈاڑھی والے کی نگرانی کی ہدایت دے کر وہاں سے ہٹ آیا۔ لیکن کیفے جہان میں دوبارہ داخل نہیں ہوا۔ اب وہ حمید کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ حمید اسکے تعاقب میں ضرور آگیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اس سلسلے میں کوئی پیغام بھی بھیجا ہو..... یہ سوچ کر وہ گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کا خیال غلط نہیں تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں حمید نے اُس کے لئے دوبار فون کیا تھا۔ آخری کال یہ تھی کہ ارجن پورے کی شہامت بلڈنگ کے نیچے والے چائے خانے میں

یہ وہی چاروں ہیں جو کیفے جبران کی تیرہویں میز پر بیٹھا کرتے تھے۔ اسی لئے گریش صاحب بھی میرے ساتھ ہیں۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ ریکھا کے چہرے سے بھی صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکی۔
”مگر آپ کام خراب کر دینے پر تلے ہوئے ہیں کرنل صاحب۔ میں آپ سے پھر کہہ رہا ہوں کہ فورس بلوا لیجئے۔“

”نہیں گریش صاحب، یہ میرے اصول کے خلاف ہے، وہ چارہوں یا چار سو، کام اکیلے ہی ہوگا۔ فورس کا مطلب ہے ہنگامہ۔۔۔ اور ہنگامے کا مطلب تو آپ سمجھتے ہی ہیں۔ اب دیکھئے گا کہ یہ کام کتنے شاعرانہ انداز میں انجام پاتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ساتھ لیڈی انسپکٹر مس ریکھا بھی ہیں۔“

شکار اور شکاری

ریکھا کچھ چھپینی اور کچھ جھنجھلائی۔ کیونکہ گریش اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسے فریدی سے توقع نہیں تھی کہ وہ کسی موقع پر اس طرح اس کی ٹانگ گھسیٹے گا۔

”میں کس طرح یقین کر لوں کہ آپ کامیاب ہی ہو جائیں گے۔“ گریش نے کہا۔
”ہوسکتا ہے یہ اطلاع ہی غلط ہو کہ آج وہ یہاں چوری کریں گے، یا درست ہونے کی صورت میں یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کی طرف سے ہوشیار ہوں۔“

”اس کی فکر نہ کیجئے۔ میرے تجربہ بہت کم غلطیاں کرتے ہیں۔“
تقریباً گیارہ بجے تک وہ وہیں بیٹھے رہے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر دوسرے ریسٹوران میں جا بیٹھے۔ لیکن اس علاقے میں ایک بھی ایسا ہوٹل یا ریسٹوران نہیں تھا جس میں رات بھر کی سروس چلتی رہی ہو۔ ایک بجے وہ تیسرے ریسٹوران سے اٹھے جو بند ہونے والا تھا۔

”حمید ریوالور ہے تمہارے پاس۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”میں آج کل ہر وقت ریوالور رکھتا ہوں۔“

”خیر۔۔۔ ٹھیک ہے۔ دور ریوالور کافی ہیں۔“

”اگر یہ چاروں وہی ہوئے تو۔۔۔ مطلب یہ کہ وہ چار آدمی جو ڈیکارٹس کی میز پر بیٹھا کرتے تھے؟“

”ممکن ہے۔“ فریدی نے بے خیالی کے انداز میں جواب دیا۔ پھر چونک کر بولا۔ ”میں ان کا انتظام کئے دیتا ہوں۔ یہ کام تمہاری شایان شان نہیں کہ نقب زلوں اور معمولی اچکوں کا تعاقب کرتے پھرو۔“

یعنی آپ کو یقین نہیں ہے کہ یہ وہی چاروں ہیں۔“ حمید نے کہا۔
فریدی کوئی جواب دیے بغیر اٹھ گیا اور حمید کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ فریدی نے اسے اپنی کار پر گھر واپس جانے کو کہا۔ وہ اس وقت اس کے کسی سوال کا جواب دینے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔

پھر اس کے بعد حمید کو علم نہیں تھا کہ وہ سارا دن کیا کرتا رہا۔ تقریباً نو بجے رات کو اس کا فون آیا۔ اس نے حمید کو بینک آف تہران کے قریب ایک ریسٹوران میں بلایا تھا۔ حمید اس وقت باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کیونکہ آج نہ جانے کیوں ریکھا نے بھی نو بجے اس کے پاس پہنچنے کی اطلاع دی تھی اور حمید اس وقت اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ بہر حال حمید نے فریدی سے پوچھا کہ کیا وہ ریکھا کو بھی اپنے ساتھ لاسکتا ہے؟ اس پر فریدی کی آواز کچھ غصیلی ہو گئی۔ لیکن اس نے اسے اس سے روکا نہیں۔
ٹھیک نو بجے ریکھا آ گئی۔ لیکن وہ کہیں جانے پر تیار نہیں تھی۔ غالباً وہ سرخ دائرہ ہی کے بارے میں کوئی گفتگو کرنے آئی تھی۔

”میں آپ کو اس وقت فریدی صاحب کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ مطمئن رہئے۔“
کسی ہوٹل میں لے جا کر قرض کی درخواست نہیں کروں گا۔“

وہ بینک آف تہران کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی ایکس والی زید ریسٹوران میں موجود تھا لیکن وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ گریش بھی تھا۔

”سنو حمید! اور تم بھی سنو ریکھا۔“ اس نے راز دارانہ لہجے میں کہا۔ ”آج میں سرخ دائرہ والوں کو گرفتار کرنے جا رہا ہوں۔ وہ بینک آف تہران میں چوری کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ

پھر اچانک فریدی نے انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بینک کی عمارت کی دائیں ہاتھ والی گلی میں داخل ہو رہے تھے۔ آس پاس کی دوکانیں بند ہو چکی تھیں اور یہ حصہ نہ صرف ویران بلکہ تاریک بھی تھا۔

”لیکن ہمیں معلوم کیسے ہوگا کہ وہ عمارت میں داخل ہو گئے۔“ گریش نے سرگوشی کی۔
 ”ابھی حال ہی میں ایک نقب زن بھی ان میں شامل ہو گیا ہے۔ کیسویہاں کا مشہور نقب زن اور کئی بار کا سزا یافتہ ہے۔ میں نے آج ہی اُسے توڑ لیا ہے۔ وہ ہمیں نکل دے گا۔“
 ”تب تو پھر بازی ماری۔“ گریش نے ایک طویل سانس لے لی کر کہا۔ ”اب میں مطمئن ہوں۔ میدان آپ ہی کے ہاتھ رہے گا۔“

”اب اگر ہم خاموشی اختیار کریں تو بہتر ہے۔“ فریدی بولا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک اندھیرے میں دیوار سے لگے کھڑے رہے۔ پھر اوپر کی ایک کھڑکی میں ایک ننھا سا چمکدار نقطہ نظر آیا۔ یہ غالباً سگتی ہوئی سگریٹ تھی۔ ”آؤ.....“ فریدی سڑک کی طرف بڑھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

وہ سڑک پر آئے..... بینک کی عمارت کے نیچے پہرہ دینے والے سنتری غائب تھے لیکن ان کی بند و قید دیوار سے نکی کھڑی تھیں۔

فریدی دبے پاؤں چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ نزدیک یا دور ایک متنفس بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو حیرت تھی کہ آخر سنتری کہاں گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ان دونوں کی لاشوں سے سابقہ نہ پڑے۔

اندر ہر طرف تاریکی تھی۔ فریدی کی ننھی سی ٹارچ کی باریک سی شعاع ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر چلتے کے بعد انہوں نے قدموں کی چاپ سنی، وہ رک گئے۔ ساتھ ہی آواز آئی بند ہو گئی۔ فریدی تقریباً پانچ منٹ تک وہیں ٹھہرا رہا۔

اندھیرا ہونے کی وجہ سے یہ بتانا دشوار تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ وہ پھر آگے بڑھے۔ اب

فریدی اپنی ٹارچ بہت کم روشن کر رہا تھا اور وہ چاروں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک قطار میں آگے بڑھ رہے تھے۔ فریدی سب سے آگے تھا۔ شاید دیکھا کے لئے اس قسم کی مہم نئی چیز تھی۔ کیونکہ حمید اس کی گہری گہری سانسوں کی آواز سن رہا تھا۔

اچانک وہ چلتے چلتے روشنی میں آ گئے۔ کمرہ پوری طرح روشن تھا اور شاید بینک کا اسٹراٹگ روم ہی تھا۔ کیونکہ یہاں چاروں طرف تجوریاں ہی تجوریاں نظر آ رہی تھیں۔

ان میں تین تجوریاں انہیں کھلی نظر آئیں۔ ایک کے نیچے چند چھوٹے چھوٹے زیورات بھی پڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے بہت ہی جلدی میں تجوری کا سامان سمیٹا ہوا اور گری پڑی چیزوں پر دھیان دینے بغیر وہاں سے چلا گیا ہو۔

”چوٹ ہو گئی..... چلو۔“ فریدی بڑی تیزی سے واپسی کے لئے مڑا۔ حمید اور دیکھا بھی دروازے کی طرف بھیسے۔ وہ دروازے تک پہنچ بھی گئے لیکن فریدی! ان کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ کیونکہ فریدی نے آگے بڑھنے کی بجائے پلٹ کر گریش کے جڑے پر گھونہ رسید کر دیا تھا۔

گریش اچھل کر دوسری طرف کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسٹراٹگ روم فار کی آواز سے گونج کر رہ گیا۔ گریش نے گرتے گرتے فریدی پر فائر کر دیا تھا۔

دوسرا فائر پھر ہوا۔ حمید اور دیکھا جو دروازے ہی پر تھے بدحواسی میں اسٹراٹگ روم سے نکل گئے۔

لیکن فریدی..... اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کو یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کمرے کے اندر ہی ہے یا باہر نکل گیا۔ اچانک حمید کو اپنی اس بزدلی کا احساس ہوا اور وہ ریوالور نکال ہی رہا تھا کہ اندر پھر ایک فائر ہوا۔

”گریش ریوالور پھینک دو۔“ انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔ ”نہ تم مجھے گولی مار سکتے ہو اور نہ یہاں سے نکل سکتے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ دائرہ پورا کر دو۔ وہ ابھی ادھورا ہے۔ فریدی کے سامنے ہاتھ کی صفائی ذرا مشکل ہی سے چلتی ہے۔“

اس بات کا جواب تیسرے فائر نے دیا۔ حمید نے فائر کے بعد ہی فریدی کا قہقہہ سنا جو

کیوں نہ ہو۔“ فریدی بولا۔ ”تم نے اُن پانچوں کو محض اس لئے پھانسا تھا کہ ایک دن قتل کے الزامات ان کے سر قہوپ کر خود الگ ہو جاؤ۔ تم نے جن جن کر پانچ شاطر چوروں کو اکٹھا کیا تھا۔ طریقہ کار ایسا تھا کہ وہ تمہاری شخصیت سے واقف نہ ہو سکے۔ تم ان کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہتے تھے۔ وہ جہاں کہیں بھی چوریاں کرتے تم بھی ان کی لاعلمی میں ان کے قریب ہی ہوتے تھے۔ وہ اپنا کام کر کے بٹے اور تم نے اپنا کام شروع کر دیا۔ یعنی وہاں ایک سرخ دائرہ بنا کر روفو چکر ہو گئے۔ قتل کی وارداتوں کی ان غریبوں کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ قتل تم کرتے تھے اور وہاں بھی سرخ دائرہ بناتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم لوگوں نے ان سب وارداتوں کو کسی ایک پارٹی سے منسوب کرنا شروع کر دیا۔ تمہارا مقصد بھی یہی تھا تم ان چاروں کو میک اپ میں بھی پہچانتے تھے۔ اس لئے تم نے مجھے ان کے پیچھے لگایا۔ تم نے یہ سوچا ہوگا کہ میں کچھ دنوں تک ان کی نگرانی کراؤں گا۔ محض اس لئے کہ ان کے خلاف زیادہ سے زیادہ ثبوت فراہم کر سکوں اور تم اس دوران میں ان کی معیت میں پھر کہیں نہ کہیں اس سرخ دائرہ سے ملاقات کراؤ۔ لیکن میں نے آج خود ہی تمہارے لئے سارے مواقع فراہم کر دیئے۔ تمہیں اس کا علم نہیں تھا کہ وہ چاروں پکڑے جا چکے ہیں ورنہ تم سے اس وقت یہاں دائرہ بنانے کی حماقت سرزد نہ ہوتی۔ اس وقت تمہاری اسکیم یہ تھی کہ تم کسی جگہ سرخ دائرہ بنا دو گے۔ اگر وہ چاروں پکڑ لئے گئے تو وہ دائرہ انہیں سے منسوب کیا جائے گا اور تم صاف اپنی گردن بچالے جاؤ گے اور ظاہر ہے کہ ان چاروں کی کہانیوں پر کسے یقین آتا.... لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ مجھے تم پر پہلے ہی سے شبہ ہو چکا تھا۔ اسی رات کو جب تمہارے کیفے میں ڈیکارٹس کا بھوت نمودار ہوا تھا، تم نے اسے دیکھا تھا اور اس کی طرف سے لاپرواہی برتی تھی۔ تم سمجھتے تھے کہ شاید وہ ڈیکارٹس کے ساتھیوں ہی میں سے کسی کا بہروپ ہے۔ پھر تم نے باہر نکل کر لوگوں سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہال میں تمہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیا تھا.... اگر تمہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ بھوت فریدی تھا تو تم چیخ مار کر بے ہوش ہو جانے کی ایکٹنگ ضرور کرتے کیوں.... کیا کہتے ہو۔“ فریدی نے اس کے گریبان کو جھٹکا دیا۔

گریش اس طرح لڑکھڑایا کہ فریدی بھی اس کے ساتھ گرتے گرتے بچا۔

کہہ رہا تھا۔ ”اچھا گریش خالی کر ڈالو اپنا ریوالور اور آسانی رہے گی۔ میں نے تو قسم کھا رکھی ہے کہ تم جیسے چوہوں پر اپنے کارٹوس کبھی برباد نہ کروں گا۔“

پھر اچانک دیکھا اور حمید نے اپنی پشت پر بھاری قدموں کی آوازیں سنیں۔ پانچ آواز ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ لمبے سیاہ لبادوں اور چہرے تک جھکی ہوئی فلت ہیٹوں میں تھے۔ ”خبردار آگے نہ بڑھنا۔“ حمید نے ریوالور کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

”ہمارے پاس پانچ ریوالور ہیں۔ سمجھو جناب کپتان صاحب۔“ آنے والوں میں سے ایک نے کہا.... مگر اس کی آواز سن کر حمید کا ہاتھ خود بخود جھک گیا۔ یہ کو تو الی انچارج انہیں جلد گیش کی آواز تھی۔ جلد گیش نے فلت ہیٹ کا گوشہ اوپر اٹھا دیا اور پھر کسی شے کی گنجائش ہی رہ گئی۔ دوسروں کے چہرے بھی اب روشنی میں آ گئے تھے۔ حمید نے ایک ایک کو پہچان لیا۔ چاروں سب انسپکٹر تھے۔

اچانک اندر سے دھینگا مشتکی کی آواز آنے لگی۔ حمید دروازے کے سامنے آ گیا۔ فریدی گریش پر ٹوٹ پڑا تھا۔ شاید وہ ابھی تک تجوری کی اوٹ میں چھپا رہا تھا۔ گریش اتنے آدمیوں کی بھیر دیکھ کر شاید مایوس ہو گیا تھا۔ کیونکہ جیسے ہی لوگ اندر داخل ہوئے اس نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ اس کا ریوالور دور فرش پر پڑا ہوا تھا۔

فریدی اسے کالر سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ”دائرہ پورا کرو۔“

اس نے ایک تجوری کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ حمید کی نظر تجوری پر پڑی.... اس نے ایک مکمل سرخ دائرہ موجود تھا اور اس کے نیچے فرش پر سرخ رنگ کی چاک کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ گریش بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ان پانچ چوروں سے بھی ملو۔ لیکن ان میں سے ایک بھی نقب زنی کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ وہ پانچوں تو پیارے دوپہر ہی حوالات میں ہیں۔“

ان پانچوں نے اپنے لبادے ڈھیلے کر دیئے تھے اور ان کے نیچے سے ان کی وردیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔

”گریش.... قاتل ایک نہ ایک دن پکڑا ہی جاتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی پھرتیلا اور چالاک

گریش بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

”ارے...!“ دفعتاً فریدی اس پر جھٹکا ہوا بولا۔ ”یہ تو مر گیا۔“

پھر شاید دو ہی منٹ بعد اس کے منہ اور ناک سے سبز رنگ کا پانی بہنے لگا۔ یہ زہر کی علامت تھی۔ اس دوران میں کسی وقت اس نے ان کی لاعلمی میں زہر کھالیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ اسے زہر کہاں سے ملا؟ اس سلسلے میں صرف ایک ہی بات کہی جاسکتی تھی وہ یہ کہ اسے خود بھی اب یقین نہ رہا ہوگا کہ وہ اپنی اسکیموں میں کامیاب ہی ہوتا رہے گا۔ اس لئے اس نے اپنے پاس زہر رکھنا شروع کر دیا تھا، تاکہ ضرورت پڑنے پر پھانسی کے پھندے سے تو محفوظ رہ سکے۔ دوسرے دن کے اخبارات نے لیڈی انسپکٹر ریکھا، کو توالی انچارج انسپکٹر جگدیش اور چاروں سب انسپکٹروں کا یہ کارنامہ جلی حروف میں شائع کیا۔ فریدی اور حمید کا کہیں نام بھی نہیں تھا۔ لیکن ابھی تک یہ بات صاف نہیں ہوئی تھی کہ قتل کی ان وارداتوں کا مقصد کیا تھا۔ مقصد دریافت کرنے کے سلسلے میں فریدی کو بڑی محنت کرنی پڑی۔ جب اس نے اپنی تحقیقات کا ماحصل سامنے رکھا تو ایک کی بجائے دو مقاصد نظر آئے۔ ایک تو اس کا دوسرا گھوڑا شہباز جو ابھی تک ریس میں دوڑا نہیں تھا اس کے لئے اس نے اپنا بھی ایک گھوڑا ٹیمپٹ ختم کر دیا اس کے بعد شہباز کو بے خطر دوڑا سکتا تھا کیونکہ ٹیمپٹ کی موت کا الزام کسی دوسرے نامعلوم دشمن کے سر جا پڑتا۔ حقیقتاً وہ خان افضل کو پھانسا چاہتا تھا کیونکہ ان چاروں میں خان افضل کا چھوٹا بھائی اکمل بھی شامل تھا۔

اس طرح تو قتل کی وارداتوں کا مقصد اپنے ایک گھوڑے کو ریس کے میدان میں تہادیکھا تھا۔ دوسرے مقصد کے سلسلے میں حالات کا تجزیہ کرنے پر میری جبرنگن کی شخصیت ابھر آئی۔ اس کی تفتیش کے مطابق وہ نہ صرف فاحشہ بلکہ جنسی بوالہوسی کے مرض میں مبتلا تھی۔ صد اس کے دونوں جاکے اور وہ جاکے جو ٹیمپٹ سے گر کر مرا تھا سب کے سب اس کے اسیروں میں سے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ گریش نے ان سب کے قتل کی اسکیم انتہائی جذبہ کے تحت بنائی ہو اور ساتھ ہی ساتھ اس فتنے یعنی میری جبرنگن کا بھی خاتمہ کر دیا ہو۔ جس کی بدولت اسے دوسروں کو قتل کرنا پڑا تھا۔

خان افضل کو تو وہ یقینی طور پر پھانسا چاہتا تھا۔ جیسا کہ بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا۔

خان افضل اس کا بہت پرانا حریف اور رقیب تھا۔ وہ اسے نہ صرف کاروباری میدان میں اکثر شکست دیتا رہتا تھا، بلکہ اس کی بہتری محبوباؤں پر بھی ڈورے ڈال چکا تھا۔

یہ بات رازی رعی کہ میری جبرنگن نے ریکھا کا تعاقب کیوں کیا تھا اور وہ گنگسن لین میں اپنا نام تبدیل کر کے گریش ہی کے ایماء پر رعی تھی یا اسے علم نہیں تھا کہ گریش اس کی دوسری حیثیت سے بھی واقف ہے۔

وہ فقیر بھی گریش ہی ہو سکتا تھا، جس نے چار عدد قربانی کے بکرے تیار کئے تھے۔ کیونکہ گریش کی قیام گاہ سے فریدی نے میک اپ کا بہت ساجدیترین سامان بھی برآمد کیا تھا۔

بہر حال فریدی کو اسے اپنے ناکام کیسوں میں جگہ دینی پڑی۔ اس کا خیال تھا کہ گریش اگر زہر نہ کھاتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ ان وارداتوں کا کوئی تیسرا مقصد بھی نکل آتا۔

البتہ آصف کی پشت پر بنائے جانے والے نشانات کے متعلق وہ اب بھی شبہ میں تھا۔ اس کی دانست میں دلیر سے دلیر مجرم بھی اس قسم کا خطرہ نہیں مول لے سکتا۔ آخر ایک دن اس نے بہت غور و خوض کے بعد حمید کے کان پکڑی لئے۔ اور حمید کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ حرکت اس کی تھی۔

”میں نے جناب۔“ اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”کم از کم ایک ماہ کے لئے آصف کی زندگی تلخ کر دی تھی اور میری جبرنگن کی قتل والی رات کو تو مزہ ہی آ گیا تھا۔ میں نے ایک تاریک گلی میں اس کی ٹانگوں میں ٹانگ بچھنا کر گرا دیا۔ ایک منٹ تک سواری گاتھے رہا اور پھر پشت پر سرخ دائرہ بنا کر دوسری گلی میں چھلانگ لگادی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آصف کو لمبے بخار پر چلا جانا پڑا۔“

وہ سمجھا تھا کہ فریدی بھی اس پر قہقہہ لگائے گا... لیکن خلاف توقع فریدی اس پر برس پڑا، اور مجبوراً حمید دوسری باتیں سوچنے لگا تاکہ اس کے لکچر کی آواز اس کے کانوں تک پہنچے ہی نہ سکے۔ ایسے مواقع پر حمید خوبصورت لڑکیوں کے متعلق سوچنے لگتا تھا۔

تمام شد